

تقویٰ و طہارت و عفت کے نمونہ کامل ہیں۔

حق نماز کی ادائیگی

نماز مخلوق کا اپنے خالق سے ارتباط کا بہترین وسیلہ ہے۔ اور امام جس کی ہر شے خدا کے لیے اور ہر کام اللہ کی مرضی کے ساتھ ہے اس بہترین وسیلہ ارتباط سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے قسم کے انسان بن جاتے ہیں اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے۔ آپ اپنی عبادت سے اپنے خالق کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں کہ حالت نماز میں لرزہ بر اندام ہو جاتے ہیں۔ آپ کے چہرے کا رنگ گرگوں ہو جاتا ہے۔ ایک باریک تہے والے درخت کی مانند کہ ذرا ہوا چلی اور وہ ہلنے لگا اور اس کی پتیاں اور شاخیں حرکت میں آگئیں ایسا متواضع انسان جب خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا تو ایسے خضوع و خشوع سے کام لیتا کہ معلوم ہوتا کہ جیسے کوئی جانکنی کے عالم میں ہے اور اب اس نماز کے بعد تو زندہ مل ہی نہیں سکتا۔ جب آپ نماز کے لیے وضو فرماتے تو چہرے کا رنگ اڑ جاتا۔ لوگوں نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

۱۔ حضرت امام جعفر صادقؑ اپنے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقرؑ سے حدیث بیان فرماتے ہیں کہ حضرت علی ابن الحسینؑ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے کسی درخت کا تنہ ہو کہ جس کو کوئی جنبش نہ ہو مگر اس وقت جب ہوا چلے اور اس کی شاخیں اور پتے ہلنے لگیں۔ ناسخ التواریخ مجلد حضرت سجاد جز ۱ صفحہ ۱۸۴ ۲۔ منتہی الالہام جلد ۲ صفحہ ۷

” افسوس ہے تم لوگوں پر۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میں کس خدا کے سامنے کھڑا ہونے جا رہا ہوں اور میں اس کو کسی عظیم ہستی سے گفتگو کرنے کے لیے تیار ہو رہا ہوں “

آپ اتنی نمازیں پڑھتے کہ مواضع سجود پر بڑے اور دبیز گھٹے پڑ جاتے جو سال میں کئی بار تراشے جاتے تھے اور اسی بنا پر آپ کو لوگوں نے ذوالشقائق کا لقب دے دیا تھا اور انھیں سجاد بھی کہا کرتے تھے۔

یقین کیجیے جب وہ نماز میں اپنے خالق کے سامنے کھڑے ہوتے تو تمام دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے اور اس سلسلہ میں آپ کے متعلق بہت سے واقعات منقول ہیں۔

ایک دن آپ نماز میں مشغول تھے کہ اتفاقاً مکان میں آگ لگ گئی ایسے موقع پر فطرت انسانی کا تقاضہ ہے کہ ہر انسان پریشان ہو جاتا ہے۔ لیکن امام ان تمام حالات سے بے خبر اپنی نماز میں مشغول رہے اور نماز ترک نہیں کی، اس لیے کہ آپ کے پیش نظر دورخ کی آگ تھی۔

ایک مرتبہ آپ نماز میں مشغول تھے کہ آپ کا کوئی کمن بچہ کنویں میں گر گیا۔ اہل خانہ نے شور مچایا مگر آپ نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

آپ کی اس شدت عبادت اور کثرت نماز کی وجہ سے لوگ آپ کے حالات کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے ایک محب و دوست دار

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کثرت عبادت کا سبب پوچھا۔ آپ نے جواب دیا کہ:

”پیغمبر اسلامؐ بھی تو اپنے مقام و مرتبہ کو جانتے تھے مگر

اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا

تو پھر میں اپنے جد و پدر کی سیرت کو کیسے چھوڑ دوں۔“

اور جب لوگ آپ کو اس کثرت عبادت سے منع کرتے تو آپ اپنے جد حضرت

امیر المومنینؑ کی عبادت کو یاد کرتے اور فرماتے کہ میں کیا چیز ہوں میرے جد

حق تعالیٰ کی عبادت تو کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

امامؑ کی عبادت اور نماز کا یہ حال تھا کہ لوگ کبھی انھیں سید العابدین

کہتے، کبھی زین العابدین کہتے اور کبھی زین العباد کے نام سے یاد کرتے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

”میرے پدر بزرگوار علی ابن الحسینؑ جب بھی کسی اللہ کی

عطا کردہ نعمت کو یاد فرماتے تو سجدہ شکر ادا کرتے

اور پھر اس نعمت کے متعلق قرآن کی آیت کی تلاوت

فرماتے تو سجدہ شکر بجا لاتے۔ جب بھی کسی مصیبت

یا کسی نقصان سے اللہ ان کو بچاتا تو اس کی حمد کرتے

اور شکر کا سجدہ کرتے، جب بھی کسی دشمن کی ایذا

رسانی سے اللہ ان کی حفاظت کرتا تو پیشانی سجدہ شکر

میں رکھ دیتے، جب بھی نماز واجب سے فارغ ہوتے

تو سجدہ شکر ادا کرتے اور جب بھی دو آدمیوں کے

اختلافات کو ختم کراتے اور ان میں صلح و صفائی کرا دیتے

تو سجدہ شکر کرتے۔ آپ کے تمام مواضع سجدہ پر
سجدہ کا نشان صاف نظر آتا۔ اسی لیے آپ کا نام
سجاد ہو گیا تھا۔“

آپ کی کثرتِ عبادت کے متعلق زرارہ ابن العین کہتا ہے کہ
اندھیری راتوں میں سے ایک رات کو میں نے ایک جانب سے یہ آواز
سُنی کہ:

”وہ کون لوگ ہیں جو دنیا سے کنارہ کش ہیں اور آخرت
کی طرف مائل ہیں؟“

دوسری جانب سے یہ آواز آئی کہ:

”ایسی ذات تو صرف علی ابن الحسینؑ کی ہے“ اور ہمیں ان دونوں
میں سے کوئی شخص نظر نہ آیا۔“

آپ صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی زمین العباد ہیں۔
چنانچہ حضرت رسول اکرمؐ سے روایت ہے کہ:

”قیامت کے دن ایک ندا دینے والا ندا دے گا کہ
کون عبادت کرنے والوں کی زینت ہے۔ میں دیکھ
رہا ہوں کہ اس وقت میرا فرزند علی ابن الحسینؑ اہل محشر
کی صفوں کو پھیرتا ہوا بڑے وقار و سکون کے ساتھ
قدم آگے بڑھائے گا۔“

۱۔ تاریخ التواریخ، ج ۱، حضرت سجاد ص ۲۴

۲۔ حدیقۃ الشیخ، مقدس اردبیلی، ص ۵۱۶

۳۔ تاریخ التواریخ، ج ۱، حضرت سجاد ص ۲۳

حق حج کی ادائیگی

حج اللہ تک رسائی کا ذریعہ ہے، حج تکمیلِ نفس ہے اور امام علیہ السلام نے بار بار زیارتِ خانہ کعبہ کے لیے جا کر اس سفر کی بلند حیثیت کو واضح فرمایا۔

مراجم حج کی ادائیگی کے لیے جب آپ لباسِ احرام زیب تن فرماتے تو جسم کانپنے لگتا، چہرہ زرد ہو جاتا اور خانہ کعبہ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ بلند کرتے اور اللہ کی بارگاہ میں زار و قطار گریہ فرماتے۔ آپ کو روتا ہوا دیکھ کر لوگ سوال کرتے کہ ایک تو آپ بذاتِ خود صفاتِ حسنہ کے مالک ہیں، پھر اولادِ رسولؐ ہیں اور اس کے علاوہ اللہ سے رحم کی امید رکھنی چاہیے، پھر اس قدر کیوں روتے ہیں۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزِ قیامت کسی کا حسبِ نسب کام نہ آئے گا۔ اس لیے صرف اولادِ رسولؐ ہونا کسی کو سزا سے نہیں بچا سکتا“

امامؑ فرماتے ہیں کہ:

”اللہ کی بارگاہ میں شفاعت صرف انہیں لوگوں کے حق میں قبول ہوگی کہ جن کے لیے اس نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور پھر اللہ صرف نیکو کاروں ہی کو اپنی عطا و کرم کے لائق سمجھتا ہے“

آپؐ یہ سب باتیں فرماتے ہیں حالانکہ قیامت کے دن شفاعت کرنے

والوں میں سے آپ خود بھی ہیں مگر آپ امت کی رہنمائی کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنی زندگی کے دستور کو دوسروں کے لیے نمونہ بناتے ہیں۔

اپنے مکہ کے سفروں میں کبھی اپنے اونٹ کو تازیانہ نہیں مارتے تھے بلکہ جب دیکھتے تھے کہ یہ تھک گیا ہے تو اسے تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیتے تھے تاکہ اپنی تھکن دور کرے۔ سفر ہائے مکہ میں ہمیشہ آپ ایسے گروہ کے ساتھ سفر فرمایا کرتے تھے جو آپ کو پہچانتے نہ ہوں اور ان لوگوں سے یہ عہد و پیمان ہوا کرتا کہ اگر کسی کام کی ضرورت ہو تو دوسروں کی طرح آپ سے کہیں۔ چنانچہ ایک سفر میں لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور پوچھا کہ فرزند رسولؐ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اگر نادانستگی کی وجہ سے ہم لوگ آپ کی خدمت میں کوئی جسارت کر بیٹھتے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہی میں جاتے۔ آپ نے فرمایا کہ :

”ایک مرتبہ میں نے اپنے واقفکاروں کے ساتھ سفر کیا۔ وہ ہمارے ساتھ بہت زیادہ ہربانیاں کرنے لگے۔ لہذا خوف متھا کہ کہیں تم لوگ بھی وہی نہ کرنے لگو اس لیے میں نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔“

آپ اس طرح سے انسانیت و جو انفرادی کے تمام اقدار کا لحاظ رکھتے اور باوجود اس خاندان کی جس قدر بھی خدمت کی جائے وہ کم ہے لوگوں کی گزشتہ خدمت گزاروں کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں چاہا کہ دوسرے لوگ میری خدمت گزاری کے فرائض انجام دیں۔ اس لیے آپ نے یہ شرط لگا دی کہ سب لوگوں کی طرح میرے بھی کام کروں گا۔

واقعاً ایسے ہی کردار اور ایسے ہی رہنما سے زندگی کا سبق لیکنا چاہیے۔

حق صوم کی ادائیگی

ماہ رمضان آپ کی حیرت انگیز بخشش کا پتہ دیتا ہے۔ آپ ان ایام کا استقبال اس طرح فرماتے ہیں:

”اے خدا! یہ ماہ رمضان ہے، یہ روزہ رکھنے، عبادت و اطاعت کے لیے کھڑے ہونے اور یک بارگی خدا کی طرف رجوع کرنے کا مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و مغفرت کے دروازے کھول دیتا ہے، لوگوں کے گناہ بخشا ہے، جہنم سے نجات دیتا ہے اور جنت خلد میں پہنچا دیتا ہے۔

حمد ہے اس خدا کی جس نے اپنے مہینہ، یعنی ماہ رمضان کو اعمال نیک بجالانے کا ذریعہ قرار دیا، روزے کا مہینہ اطاعت کا مہینہ ہے، بخشش کا مہینہ ہے اور راتوں کو جاگ کر عبادت کرنے کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کی شبوں میں سے ایک شب کو ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے اور اس کا نام شب قدر رکھا ہے۔ ملائکہ اور روح حکیم خدا سے اس شب میں ہر طرح کے احکامات لے کر نازل ہوتے ہیں۔ پروردگار! تو محمدؐ و آل محمدؐ پر اپنی رحمتیں نازل فرما اور چونکہ ان شبوں میں سے ہر ایک شب میں تیری عفو و

بخشش کے سہارے بہت سے آزاد اور بخشش یافتہ بن جاتے ہیں اس لیے پروردگار تو مجھے بھی ان بندوں میں شمار کر اور اس مہینہ کے بہترین اصحاب میں سے قرار دے۔“

اس مہینہ میں آپ مخلوق سے کٹ کر خالق سے جا ملتے۔ اس مہینہ میں آپ اپنا دسترخوان ہمیشہ کشادہ اور کھلا ہوا رکھتے اور ان گھروں میں افطاری بھیجتے جنہیں مانگنے کی عادت نہیں ہے۔

ماہِ صیام غلاموں کے آزاد ہونے کا مہینہ ہے۔ آپ اس مہینہ میں غلاموں سے کام نہیں لیتے تھے۔ اور ان سب کے کرنے والے کام خود انجام دیتے تاکہ غلاموں کو عبادت کے لیے کافی وقت ملے۔

عید الفطر کی شب ہیں آپ اپنے سب غلاموں کو اپنے سامنے بلاتے اور ان میں سے ہر ایک کی تقصیروں کو گنواتے اس کے بعد ان غلاموں سے فرماتے کہ سب خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر یہ کہو:

”پروردگار جس طرح علی ابن الحسینؑ نے اپنے تمام غلاموں، کنیزوں اور خادموں کی تقصیروں کو بخش دیا ہے تو بھی ان کی تقصیروں کو بھل فرما۔“

”اے علی ابن الحسینؑ اس دن کو یاد کرو جس دن تمہارا نامہ اعمال تمہارے سامنے پڑھ کر سنایا جا رہا ہوگا، اس دن کو یاد کرو کہ جس دن خداوند قادر و حکیم کی بارگاہ میں اپنی پوری زندگی کا ماحصل پیش کرو گے۔ وہ عادل کی بارگاہ ہوگی وہاں ایک شخص کا عمل کسی دوسرے شخص کے حساب میں

نہیں ڈالا جائے گا۔ خداوند عالم خود اپنے بندوں کے افکار و رفتار و کردار کا شاہد ہوگا۔ پروردگار جس طرح امام زین العابدینؑ نے ہم لوگوں کی خطاؤں اور تقصیروں کو معاف کیا ہے، اسی طرح تو بھی ان کی خطاؤں اور تقصیروں کو معاف کر۔“

اور خود آپ اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر یہ عرض کرتے :
”پروردگارا! تو نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے زیر دستوں اور خادموں کی تقصیروں کو معاف کر دوں لہذا میں نے معاف کر دیا، میں نے درگزر کیا۔ اب تو بھی میری تقصیروں کو معاف فرما۔“

”تو نے حکم دیا کہ کسی سائل کو محروم نہ کرنا۔ میں نے کسی سائل کو محروم نہیں کیا۔ اب میں تیری بارگاہ میں سائل ہوں، مجھے تقیر و سکین و بے نوا کو بھی اپنی بارگاہ سے محروم نہ فرما۔“
اس عاجزی و فروتنی کے بعد آپ اپنے غلاموں کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے :

”میں نے تم لوگوں کی خطاؤں کو درگزر کیا۔ بتاؤ تم لوگوں نے بھی میری کوتاہیوں کو جو تمہارے بارے میں سسرزد ہوئی ہیں درگزر کیا؟“

آپ معصوم ہوتے ہوئے بھی یہ تمام امور انجام دیا کرتے۔ اس کے بعد ان سب کو آزاد کر دیتے اور ہر ایک کو کچھ رقم بھی دیتے۔ اس طرح امام زین العابدینؑ ماہ رمضان کو بہترین انداز سے اختتام

تک پہنچاتے مگر پھر اس کی جدائی میں بے چینی کا اظہار فرماتے :
 ”اے خدا! اے وہ ذات کہ جو اپنی عطا پر کوئی بدلہ
 نہیں چاہتا اور بخشش کر کے پشیمان نہیں ہوتا، اگر
 تو بخش دے تو تیری بخشش وابستہ منت و احسان
 نہیں اور اگر نہ بخشے تو یہ تیرا ظلم نہیں۔
 پروردگارا! تو نے ماہِ رمضان کے روزوں کو تکالیف
 شریعہ میں سب سے بڑی تکلیف اور واجبات میں
 عظیم ترین واجب قرار دیا ہے۔ یہ مہینہ ہم لوگوں کے
 درمیان چند دن رہا، یہ بڑا اچھا دوست تھا۔ اس
 نے ہم لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچایا اور جب اس کا
 وقت گزر گیا اور اس کی مدت ختم ہو گئی تو اس
 نے جانے کا ارادہ کر لیا۔ پس ہم اسے وداع اور
 رخصت کرتے ہیں مگر اس کی جدائی ہم لوگوں
 پر بہت شاق ہے“

لیکن امام علیہ السلام صرف ماہِ رمضان میں ہی روزہ نہیں
 رکھتے تھے بلکہ آپ کی ایک کنیز بیان کرتی ہے کہ :
 ”میں نے کبھی آپ کو دوپہر کو کھانا کھاتے اور رات
 کو بستر پر سوتے نہیں دیکھا۔“

وہ کہتی ہے کہ آپ ہر روز صوم سے رہتے، عبادت کرتے رہتے
 اور ہر شب جاگتے اور نماز پڑھتے رہتے تھے۔

مال سے سلوک

صدقاتِ امامؑ سے ان کی اعلیٰ درجہ کی سخاوت کا پتہ چلتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپؑ کا ہاتھ ہر آن کھلا رہتا تھا کہ جسے دیکھ کر حضرت امیر المؤمنینؑ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ راتوں کو بھیس بدل کر غذا اور طعام کے تھیلے نیز درہم و دینار اپنے دوش پر رکھ کر مفلسوں اور حاجتمندوں کے گھر پہنچایا کرتے۔ اکثر اوقات تو کسی کو اپنے ہمراہ مدد کے لیے بھی نہیں لیتے تھے۔ آپؑ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے خدمت گاروں سے مدد لیں اور آپؑ کا یہ عمل لوگوں میں مشہور ہو اور اس طرح وہ بے چارہ مفلس و حاجتمند اپنے مددگار کو پہچان لے اور شرمندہ ہو۔ آپؑ کے اس عمل نے مدینہ کے اندر پوشیدہ خیرات کرنے کا طریقہ رائج کر دیا۔ کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ خیرات و صدقہ دینے والا کون ہے۔ آپؑ خود فرماتے ہیں کہ پوشیدہ خیرات سے جہنم کے شعلے بجھ جاتے ہیں۔

بعض اوقات تو لوگ آپؑ کو برا بھی کہتے کہ آپؑ حاجتمندوں اور فقرا کی مدد کیوں نہیں کرتے حالانکہ سارا مدینہ جانتا تھا کہ یہاں کوئی مرد نیکو کار ایسا ہے جو شب کی تاریکیوں میں فقرار و مساکین کو ان کے اخراجات اور سامان پہنچایا کرتا ہے۔ امامؑ نے کبھی یہ نہ چاہا کہ خود کو ظاہر کریں اور بتائیں کہ یہ پوشیدہ خیرات و امداد کرنے والے وہ خود ہیں تاکہ جن لوگوں کی مدد کی جا رہی ہے وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ فلاں شخص ہماری مدد کر رہا ہے اور پھر شرمندہ ہوں یا وہ لوگ جو آپؑ کی ملامت کرتے ہیں وہ اپنے اشتباہ و غلط فہمی پر شرمندہ ہوں۔ آپؑ خود فرماتے تھے کہ جب میری آنکھ بند ہو جائے گی تو اہل مدینہ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون شخص تھا جو فقرا کو رتم و غذا و لباس وغیرہ

فراہم کیا کرتا تھا۔ ہاں آپ کے انتقال کے بعد جب آپ کو غسل دیا جانے لگا تو آپ کے دوش مبارک پر سیاہ سیاہ گھٹے کے نشان لوگوں نے دیکھے اور سمجھ گئے کہ فقرا کے لیے اذوقہ کی جو بوریاں آپ اپنے کاندھے پر لے جاتے تھے یہ اسی کے نشان ہیں۔

امام کی بخشش اور خیرات کا اندازہ اس وقت اور زیادہ ہوگا جب یہ ذہن میں رکھا جائے کہ عمالی یزید کے وحشیانہ حملے اور لوٹ مار کے بعد اہل مدینہ کے افلاس اور ان کی اقتصادی حالت کیا رہی ہوگی۔

سچ ہے جو جود و سخاوت آپ کے اندر تھی وہ کسی دوسری جگہ کہاں مل سکتی ہے۔ تاریخ بشر سوائے اس کے کہ اس جود و سخاوت کے سامنے تعظیماً سر جھکا لے اور کچھ نہیں کر سکتی۔

امام کی طرف سے قربانیاں اور ان کا فقر و مساکین میں تقسیم کرنا بھی حیرت انگیز ہے۔ کبھی کبھی ایک ایک دن میں تلو تلو گوسفند ذبح کرتے اور حکم دیتے کہ کھانا تیار کیا جائے اور لوگوں کو کھلا دیا جائے۔

معلم سے سلوک

امام اگرچہ خود علم امامت سے بہرہ ور تھے مگر اس کے باوجود معلم اور استاد کا احترام کر کے اس کی شکرگزاری کا طریقہ بتاتے ہیں۔ علمی مسائل کے امام کے ذریعہ عوام کی سطح میں پھیلنے کے وہ اثرات ہیں جو اسلامی تعلیمات کی خدمت کرنے میں کام آتے ہیں اور اسلامی معاشرہ کا پتہ دیتے ہیں۔

اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ ہر قسم کی اشرافیت کی ہمت

شکنی کی اور طبقاتی امتیازات اور حسب و نسب کی بنیاد پر افضلیت پر ضرب لگائی۔ لیکن چند نام نہاد و مہبران جو رہبری کے لائق نہ تھے انھوں نے سیاست و حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر ہدایت شروع کر دی۔ نتیجہ میں آیام جاہلیت کا دور پھر آگیا، طبقاتی امتیازات کا پھر سے رواج ہو گیا اور آیام جاہلیت کی خصلتیں لوگوں میں پھر سے زندہ ہو گئیں۔ حد یہ ہے کہ اس زمانہ کے چند علماء بھی اس نازیبا رواج سے متاثر ہو کر ایسے اقدامات کرنے لگے جس کا تعلق واقعا روح علم سے دور کا بھی نہیں ہے۔

یہ علماء حضرات ان طلباء کو جن کا گناہ صرف یہ تھا کہ ان بے چاروں کی مائیں کبھی کنیزیں تھیں یا ان کے باپ کبھی غلام رہ چکے تھے درس دینے سے پرہیز کرتے تھے یہ لوگ اپنے حلقہ درس میں غلام کو شریک کرنے سے انکار کر دیتے تھے حالانکہ وہ اس طرح درس و تدریس کو غلط خطوط پر لے جا رہے تھے اور درس صحیح طور پر نہیں دے رہے تھے۔

مگر امام علیہ السلام نے اپنے عمل اور طریقہ کار سے دین کی صحیح روح کو پیش کیا اور اس غلط رسم اور ناپسندیدہ رواج سے ٹکری۔ باوجودیکہ آپ کے علم و دانش بیکراں کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور آپ کے افق فکر و دست ذہن کے حدود کا کسی کو علم نہیں لیکن جہاں کوئی علمی مجلس منعقد ہوئی آپ وہاں پہنچ گئے۔ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ اس مجلس میں شریک افراد اصل و نسب میں کس معیار کے ہیں۔ آپ مغرور و متکبر علماء کی طرح نکتہ چینی نہیں کرتے تھے کہ مجلس علمی منعقد کرنے والے اور اس میں شریک ہونے والے آزاد ہیں یا آزاد کردہ غلام۔

لوگ آپ پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ ایسے شخص کی منعقد کردہ مجلس

علمی میں کیوں شریک ہوتے ہیں جو ایک عرصہ تک غلام رہ چکا ہے اور اس سے علمی گفتگو کیوں فرماتے ہیں۔ اگرچہ آپ کو اپنے رہبر اور امامؑ ہونے کا علم تھا مگر اس گفتگو کی وجہ سے اُس عالم کی قدر و قیمت میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا اور پھر طبقاتی امتیاز کا نظریہ مجروح ہو جاتا تھا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ جس شخص کی علمیت پر آپ کو واقعی اطمینان ہوتا تھا اسی کی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ کیا اس کا سبب اس کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے کہ امام علیہ السلام علمی امور میں فروتنی کو یاد دلاتے تھے؟ آپ کو کسی اور سے علمی فیض حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن آپ کے وہاں نشرین لے جانے سے اس عالم کا مرتبہ بلند ہو جاتا تھا۔ آپ علمی گفتگو کے سلسلہ میں نسل اور خاندان کو بے حقیقت اور لغو سمجھتے تھے۔

مزدوروں سے سلوک

آپ کو مزدوروں کے حقوق کا اس حد تک خیال تھا اور ان کے ساتھ آپ کا رویہ ایسا انسانی تھا کہ سننے والے یقین نہیں کریں گے۔ ماہ رمضان میں مزدوروں کی مزدوری اول ماہ میں ہی دے دیتے تھے کہ وہ معاشی فکروں سے آزاد ہو کر اطمینان سے اللہ کی عبادت کریں۔ جب آپ کسی غلام کو آزاد فرماتے تو اس کو کچھ رقم بھی عنایت فرماتے کہ وہ کوئی کاروبار کرے۔ ایک مرتبہ آپ کی کوئی کنیز آپ کے ہاتھ پر پانی ڈال رہی تھی کہ اتفاق سے وہ ظرف اس کے ہاتھ سے پھوٹ کر امامؑ پر گر گیا۔ ایسے موقع پر ہر انسان کو فطری طور پر غصہ آ جاتا ہے اور اس بے توجہی پر سرزنش کرتا ہے۔ کنیز کو بھی شاید یہ انتظار تھا کہ اب امامؑ کو غصہ آئے گا اور سرزنش کریں گے مگر آپ کے کرم اور اغماض نظر پر

بھروسہ کرتے ہوئے اس نے قرآن کی یہ آیت پڑھی :

”وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ“ یعنی وہ لوگ جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔

پس سن کر امامؑ نے ارشاد فرمایا :

”میں نے اپنے غصہ کو پی لیا“

جب کنیز نے اپنے امامؑ کی اس مہربانی کو دیکھا تو اسی آیت کے دوسرے فقرے کی تلاوت کی :

”وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ“ یعنی اور لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا :

”اللہ بھی گناہوں کو معاف فرماتا ہے“

اس کے بعد آپؐ نے خود آیت کا تیسرا اور آخری فقرہ پڑھا کہ :

”وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ“ یعنی اور اللہ نیک اور احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ”لہذا جا میں نے تجھے اللہ کی خوشنودی کے لیے آزاد کیا“

کیا حاکم و محکوم، زبردست و زیر دست کے درمیان اس طرح کا پُر خلوص میل ملاپ کہیں اور نظر آ سکتا ہے؟

ایک موقع پر ایک شخص جو زمین کی آباد کاری اور کاشت کے لیے مقرر کیا گیا تھا، اس کی سستی کی وجہ سے کاشت خراب ہو گئی اور درختوں کو گزند پہنچا حالانکہ امامؑ نے اسے درختوں کی دیکھ بھال کی خصوصی ہدایت کی تھی۔ خرما کے جو درخت جہاں جہاں نصب کیے تھے، ایک روایت ہے کہ آپؐ نے نصب کرتے وقت ہر درخت خرما کے نیچے

دور کعت نماز پڑھی تھی۔ آپ نے اس کی کاہلی کو ملاحظہ کیا اور آپ کو سخت تکلیف ہوئی۔ تحریر ہے کہ آپ نے ایک طمانچہ رسید کیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اسے حاضر کیے جانے کا حکم دیا اور اس سے فرمایا کہ تو اپنا قصاص مجھ سے لے لے۔ یہ طرزِ عمل اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب انسان بے انتہار روحانی عظمت کا حامل ہو۔ واقعاً زین العباد ایسی ہی ذات ہوتی ہے۔ مزدور انکار کرتا ہے اور آپ اسے آزاد فرما دیتے ہیں اور وہ ملکیت اور زمین جو کافی قیمتی تھی اس کو عطا فرما دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ امامؑ کی طرف سے ایک دعوت میں ایک غلام سے کھانے کا برتن گر پڑتا ہے اور اس سے امامؑ کے ایک فرزند کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ آپ کی روحانی عظمت کو دیکھیے، اس دردناک حادثہ پر بھی آپ بالکل خاموش رہتے ہیں تاکہ مہمانوں کی تواضع کا کام ہو جائے۔ پھر مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد آپ اس غلام کو آزاد فرما دیتے ہیں۔

اہلِ علم سے سلوک

تمام مکان 'حقائقِ علمی کی نشر و اشاعت امامؑ کے اقدامات کے دائرہ میں ہوتا ہے۔ آپ علم کی سرپرستی کے ہر موقع سے کام لیتے تھے۔ یہ معلوم کرتے کہ علم و دانش اور دین میں کہاں تک ہم آہنگی ہے اور کسبِ کمال و معرفت کے متعلق اسلام کے مطیع نظر کو واضح فرماتے۔ آپ نے لوگوں کے لیے بہت سے فقہی مسائل کی تشریح فرمائی۔ نیز تفسیرِ قرآن جیسے سب سے زیادہ بنیادی کام کو انجام دیا اور اس آسمانی کتاب کے مضمرات نکالتے لوگوں کو بتائے۔ اس سلسلہ میں آپ نے بتایا کہ قرآن مجید ایسی کتاب

ہے جو کسی خاص زمان و مکان میں محدود نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ہر عصر اور ہر قرن کے لیے ہے۔

قرآن کے کماندر بہت سے مضمرات ہیں۔ اس میں ہر زمانے کے لیے فرمان ہے۔ اوصیائے دین آیات الہی کے اسرار کی کلید ہیں اور سوائے امام سید سجادؑ کے بھلا کس کا نزدیک تر رشتہ قرآن سے ہو سکتا ہے؟ امام علمی مجالس میں شرکت فرما کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم علم کی خدمت کرنے والوں کے کاموں کے نگران ہیں۔ ان کے اندر گرمی عمل پیدا کرنے کے لیے علمی مجالس کو رونق بخشتے ہیں اور معلم اور صاحب علم کا احترام اس کے علم کی وجہ سے کرتے ہیں۔

ایک شخص اپنے باپ کے قاتل کو امامؑ کی خدمت میں پکڑ لایا اور تکلیف شرعی کے متعلق دریافت کیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ اسلام کی رو سے تو یا قصاص ہے یا خون بہا اور اگر معاف کر دے تو بہتر ہے لیکن اس کے سینہ میں غیظ و غضب کی آگ بھڑک رہی تھی اس لیے وہ معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ امامؑ نے اس سے پوچھا۔ اچھا یہ بتاؤ اس قاتل کا کوئی حق تمہارے ذمہ ہے۔

اس نے جواب دیا۔ جی ہاں، میں نے اس کے مکتب میں درس لیا ہے اور اس کا شاگرد رہا ہوں۔

یہ سن کر امامؑ بے چین ہو گئے اور فرمایا :
 ”سُن ! جو تیرا حق اس قاتل پر ہے اس سے کہیں بالاتر
 اس کا حق تیری گردن پر ہے“

بہر حال امام وقت زمانہ کے لیے سب سے بڑا معلم ہوتا ہے اور تمام اہل عصر اس کے شاگرد ہوتے ہیں اور اس کی رہنمائی سے کسب فیض کرتے ہیں۔

عورت سے سلوک

حضرت امام زین العابدینؑ کی نظر میں عورت ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کے پاس یہ نہیں ہے اس کی زندگی ناقص، اس کی عقل زائل اور اس کا دل الجھنوں میں گرفتار رہتا ہے۔ یہی سب سوچ کر عورت کی قدر کرنی چاہیے۔

آپ فرماتے ہیں :

”تمہاری زوجہ کا حق تم پر یہ ہے کہ یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے آرام و آسائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ اللہ کی ایک نعمت ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ اس کے ساتھ ہر بانی اور عورت کا سلوک کرو۔ مناسب یہ ہے کہ اس کے ساتھ نرمی برتو، اچھا کھلاؤ، اچھا پہناؤ اور اگر کوئی نادانی کی حرکت کر جائے تو اسے درگزر کرو۔“

خدمتگار اور غلام سے سلوک

معاشرہ میں خدمتگاروں اور غلاموں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ امامؑ اس سلسلے میں ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بحیثیت انسان ان کی قدر و قیمت کو واضح کرتے ہیں۔

آپ اپنے خدمت گاروں سے بہت نرمی کا سلوک کرتے تھے اور یہ چیز دوسروں کے سلوک کے بالکل برعکس تھی۔ اسلام واقعی سے منحرف معاشرہ کی نظر میں غلام کی حیثیت ایک جانور کی سی سمجھی جاتی تھی۔ وہ اس کے ساتھ جو چاہیں برتاؤ کریں۔ ان کا جان و مال سب کچھ ان کے آقا اور مالک کے لیے مباح ہے۔ وہ ان سے جو چاہیں کام لیں۔ مگر امام کا سلوک ایک طرح سے سارے معاشرے کے مقابلہ میں ایک جہاد تھا اور اس طرح کے رسم و رواج کے خلاف ایک طرح کی جنگ تھی۔

اس زمانے میں زہری ایک عالم تھا اس نے سہواً اپنے غلام کو قتل کر دیا تھا اور اس کو اس کا احساس بھی نہیں تھا کہ اس نے کوئی جرم کیا ہے اور کوئی بھی شخص حتیٰ کہ اس زمانے کے علماء بھی اس واقعہ پر اس کو قابل مواخذہ نہیں سمجھتے تھے۔ گویا غلام بے چارہ انسان ہی نہیں تھا اور اس کی موت پر افسوس کرنا بھی غلط تھا مگر اس گلوں فرودہ دور میں امام کو احساس تھا کہ ان بے چارے غلاموں کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے۔ ان میں اور دوسروں میں بحیثیت انسان ذرہ برابر فرق نہیں۔ ان کی جان بھی دوسروں کی طرح قیمتی ہے۔ اس بنا پر آپ نے زہری کو خط لکھا کہ تم ایک انسان کے قتل کے مرتکب ہوئے ہو، تمہیں اس کا خون بہا ادا کرنا چاہیے۔

امام جب کوئی غلام خریدتے تو اس کی قیمت زیادہ سے زیادہ دیتے اور جب اسے اپنے کام پر لگاتے تو اس کے استحقاق سے زیادہ اس کو مزدور کا عطا فرماتے اور پھر چند دنوں کے بعد اس کو آزاد کر دیتے۔ کسی غلام کو ایک سال سے زیادہ نہ رکھتے اور ان سے اتنا عمدہ برتاؤ کرتے کہ انہیں یقین رہتا تھا کہ امام کو کبھی غصہ نہیں آئے گا۔

ایک دن آپؐ نے اپنے کسی غلام کو آواز دی مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور سُسُز اُن سُسُنی کر دی۔ جب اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے یقین تھا کہ آپؐ کوئی سزا نہیں دیں گے۔ یہ سُن کر امامؑ نے سجدہ شکر ادا کیا کہ پروردگار تیرا شکر کہ تیرا ایک بندہ میری عتوبت سے خود کو مامون و محفوظ سمجھتا ہے۔ پھر آپؐ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اسی طرح جب بھی موقع ملتا معمول سے معمولی بات پر اپنے حق مالکیت سے دستبردار ہوتے اور غلاموں کو آزاد فرماتے رہتے تھے۔

ماں سے سلوک

امام زین العابدینؑ اپنی پرورش کرنے والی وایہ کو ماں کی طرح عزیز رکھتے چونکہ آپؐ کی مادر گرامی کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے آپؐ کی پوری توجہ اپنی وایہ کی طرف تھی۔ ان کو احتراماً ماں کہہ کر پکارتے اور جب وہ آپؐ کے پاس آتیں تو آپؐ ان کے ساتھ بہت لحاظ اور مدارات سے پیش آتے۔ جب تک وہ کھانا نہ کھا لیتیں آپؐ غذا نہ نوش فرماتے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز کرتے، صرف اس خوف سے کہ مبادا جس لقمہ کی طرف میرا ہاتھ بڑھے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہی لقمہ ان کی وایہ اٹھانا چاہتی ہوں۔ اس وایہ کو صرف اس لیے کہ اس کی ماں کنیز تھی، احترام میں فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ جب کبھی وہ امامؑ کے پاس آتی تھیں تو آپؐ یہ جانتے ہوئے کہ یہ کنیز زادی ہیں، بہت کشادہ پیشانی اور گرمجوشی سے پیش آتے اور بے حد عزت و احترام کا اظہار فرماتے۔ آپؐ کے اس طرز عمل کو دیکھ کر لوگوں کا طرز عمل بھی بدلا اور دوسروں نے بھی اسی طرح گرمجوشی دکھانی شروع کی۔

سعید بن مسیب ایک اتنا بڑا عالم تھا کہ سوائے امام زین العابدینؑ کے کسی کو اپنے سے بہتر نہیں سمجھتا تھا۔ وہ معترف ہے کہ جب کبھی وہ امامؑ کی خدمت میں جاتا تو تیور پر بل پیدا کر لیا کرتا۔ یہ عالم وہ تھا جو صرف انھیں لوگوں سے ملاقات کرتا جن کی ماں کنیز نہ رہی ہو۔ غور کیجیے جس سرزمین کے پڑھے لکھوں اور عالموں کا یہ حال ہو اور ان کا جاہلانہ تعصب اور کور باطنی اس حد کو پہنچی ہوئی ہو کہ ان لوگوں سے ملاقات سے گریز کریں جن کی مائیں کبھی کنیز رہی ہوں تو بے پڑھے لکھے عوام کا کیا حال ہوگا۔

سعید بن مسیب کا سر راہ ایک شخص سے سامنا ہو گیا اور وہ اسی مذکورہ سبب کے کترائے۔ اس شخص کو سخت تکلیف ہوئی مگر اس نے موقع کا انتظار کیا اور ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی حضرت امام زین العابدینؑ سے راستہ میں ملاقات ہو گئی۔ سعید نے ادب سے سر جھکایا اور ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ امامؑ آگے بڑھ گئے۔ وہ شخص موقع کا تو انتظار کر رہی رہا تھا، فوراً اس نے سعید سے امامؑ کا حسب و نسب دریافت کیا اور پوچھا کہ امامؑ کی والدہ کون تھیں۔ سعید تارڑ گیا اور بولا، ہاں میں سمجھ گیا لیکن انسان کی ذاتی فضیلت کا ماں اور باپ سے کوئی تعلق نہیں۔

واقعاً اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی مصالحت و حکمت تھی کہ امام زین العابدینؑ کی مادر گرامی آزاد خاتون نہ ہوں تاکہ آئندہ لوگوں کو معاشرہ کے اس ناقص اور غلط رسم و رواج پر ضرب لگانے کا موقع ہاتھ آجائے۔

باپ سے سلوک

آپ جیسی ہستی کو اپنے پدر بزرگوار سے جیسا سلوک کرنا چاہیے تھا وہ آپ نے کیا اور اس کی دلیل اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے کہ باپ نے کر بلا کے خونی میدان میں اپنے اہل حرم سے پکار کر کہا کہ سید سجادؑ کو میدان جنگ میں نہ آنے دو، انھیں روکو تا کہ دنیا نسل آل محمدؑ سے خالی نہ ہو جائے۔

باپ کا یہ کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ بیٹے سے پوری طرح راضی ہیں اور امین نسل رسولؐ کے وارث کی حیثیت سے ان کا تعارف کر دینا چاہتے ہیں۔

اولاد سے سلوک

آپ اپنے فرزندوں کو اس طرح تربیت دیتے کہ امام محمد باقرؑ تو منشائے الہی کے مطابق درجہ امامت پر فائز ہوتے ہیں اور زیدؑ کا بھی نمایاں ہستیوں میں شمار ہوتا ہے۔

بھائیوں سے سلوک

عاشور کے بعد امام زین العابدینؑ کا اگرچہ کوئی بھائی نہ بچا تھا مگر چونکہ تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لیے آپ تمام مومنین کے ساتھ بھائیوں کی طرح بہترین سلوک فرماتے۔ اور اس سے آپ کو بڑی تسکین ہوتی۔

باپ سے سلوک

آپؐ جیسی ہستی کو اپنے پدر بزرگوار سے جیسا سلوک کرنا چاہیے تھا وہ آپؐ نے کیا اور اس کی دلیل اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے کہ باپ نے کربلا کے خونی میدان میں اپنے اہل حرم سے پکار کر کہا کہ سید سجادؑ کو میدان جنگ میں نہ آنے دو، انھیں روکو تا کہ دنیا نسل آل محمدؑ سے خالی نہ ہو جائے۔

باپ کا یہ کہنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ بیٹے سے پوری طرح راضی ہیں اور امین نسل رسولؐ کے وارث کی حیثیت سے ان کا تعارف کر دینا چاہتے ہیں۔

اولاد سے سلوک

آپؐ اپنے فرزندوں کو اس طرح تربیت دیتے کہ امام محمد باقرؑ تو منشائے الہی کے مطابق درجہ امامت پر فائز ہوتے ہیں اور زیدؑ کا بھی نمایاں ہستیوں میں شمار ہوتا ہے۔

بھائیوں سے سلوک

عاشور کے بعد امام زین العابدینؑ کا اگرچہ کوئی بھائی نہ بچا تھا مگر چونکہ تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لیے آپؑ تمام مومنین کے ساتھ بھائیوں کی طرح بہترین سلوک فرماتے۔ اور اس سے آپؑ کو بڑی تسکین ہوتی۔

غلاموں سے سلوک

غلاموں کی رہائی کو آپ آتش جہنم سے نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اپنی بہت سی دعاؤں میں آپ نے اس کو گناہوں کی بخشش کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

احسان کرنے والوں سے سلوک

امام علیہ السلام اپنے ساتھ احسان کرنے والوں کو بھی نہیں بھولتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔ اگرچہ اللہ کی نعمتیں اور اس کے احسانات اتنے ہیں کہ اس کے ادائے شکر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا لیکن جس قدر انسان سے ممکن ہے اسے شکر بجالانا چاہیے۔

ہم نشینوں سے سلوک

ہم نشینوں، ہمراہیوں اور رفیقوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت جو آپ نے بیان فرمائی ہے ان پر آپ خود بھی عمل کرتے تھے۔ آپ ان لوگوں کے ساتھ خلوص و محبت کا سلوک فرماتے تاکہ انہیں نصیحتیں کر سکیں۔ آپ ان کی خطاؤں کو درگزر کرتے اور بہت ہربانی سے باتیں کرتے۔ اکثر اتفاق ہوتا کہ آپ کو اپنے اقربا سے تکلیف پہنچتی، لیکن آپ اس کا اظہار نہ فرماتے کہ مبادا وہ شرمندہ ہوں بلکہ باحسن وجہ اس کو آگاہ کر دیتے۔ یومیہ احسانات کے لیے اوروں کی طرح آپ نے اپنے ابن عم (چچا زاد بھائی)

کر بھی دیا مگر اس کو اعتراض ہوا اور بولا : ”خدا بُرا کرے علی بن الحسینؑ کا مجھے تو کچھ دیتے ہی نہیں“ یہ بات آپؑ نے خود سنی لیکن منہ پر نہیں لائے کہ کہیں اسے تکلیف نہ ہو۔

سفرِ مکہ میں ہمراہیوں سے آپؑ نے خود خواہش کی کہ کوئی کام میرے ذمہ بھی سپرد کر دیا کریں۔ آپؑ ہمیشہ لوگوں کی دلجوئی اور ان کی رہنمائی فرمایا کرتے۔ دوستیوں میں آپؑ ہمیشہ اللہ پر نظر رکھتے۔ چنانچہ کسی نے آپؑ سے عرض کیا کہ میں آپؑ سے بہت محبت کرتا ہوں یہ سنکر آپؑ فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا :

”پروردگارا میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اس بات سے

کہ لوگ تیری وجہ سے مجھ سے محبت کریں اور میں

تیرے نزدیک مبعوض و قابلِ نفرت بن جاؤں“

آپؑ کی اس فکر کو دیکھ کر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو شخص

اس طرح اللہ کے لیے زندگی بسر کرے دوسروں کے ساتھ اس

کا سلوک کیسا ہوگا۔ اور وہ سلوک بھی صرف اور صرف اللہ

کی خوشنودی کے لیے۔

ہمسایہ کے ساتھ سلوک

ہمسایہ کی عزتِ امامؑ کی نظر میں اس حد تک تھی کہ آپؑ فرماتے

ہیں کہ :

”ہمسایہ کی عزت کرو۔ اگر کوئی شخص اس پر ظلم کر رہا ہو

تو اس کی مدد کرو، مصیبت میں اس کو تنہا

نہ چھوڑو اور اس کی لغزشوں سے چشم پوشی کرو۔ اس کی غلطیوں کو معاف کرو۔“

اور آپ اپنے ہمسایوں کے لیے یہ دعا فرماتے ہیں:-

”اے اللہ! تو ان ہمسایوں کو توفیق دے کہ وہ تیری سنت کو قائم کریں۔ تیرے اچھے آداب اختیار کریں۔ اپنے کمزوروں کی مدد کریں۔ ان کی حاجت روائی کریں۔ بیماروں کی عیادت کریں، طالبانِ حق کی رہنمائی کریں۔ مشورہ چاہنے والوں کو اچھا مشورہ دیں۔ جو سفر سے واپس آئے اسے دیکھنے جائیں ان کے راز کو پوشیدہ رکھیں۔ ان کی عیب پوشی کریں مظلوموں کی مدد کریں۔ لباس و دیگر سامان کے ساتھ ایک دوسرے سے مواسات کریں۔ اپنے پاس جو کچھ ہے اس کو دوسروں کو دینے میں تکلف نہ کریں۔ جو کچھ ممکن ہو دے دیں اور مانگنے سے پہلے دے دیں۔ پروردگارا! مجھے توفیق دے کہ میں ان کی بدی کا بدلہ نیکی سے دوں اور ان میں سے جس نے مجھے ستایا میں اس کو درگزر کروں اور میں ان میں سے ہر ایک کے ساتھ حسنِ ظن رکھوں۔ ان کے کاموں کو بحسن و خوبی انجام دوں۔ عفت و پاکدامنی کے ساتھ ان سے چشم پوشی کروں اور ان کے ساتھ فروتنی سے پیش آؤں۔“

امام زین العابدینؑ تمام اہل مدینہ کو اپنا ہمسایہ سمجھتے۔ نصف شب میں ان کے گھروں کو جاتے اور جو کچھ ممکن ہوتا انہیں عطا فرماتے۔ ان کے قرضوں کو ادا فرماتے۔

ہشام بن اسماعیل مخزومی والی مدینہ، امام زین العابدینؑ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ وہ آپؑ کو سخت تکلیف پہنچاتا اور خاندان رسالت کے ساتھ اپنے امکان بھر بے ادبی کرتا۔ مگر جب اس کو معزول کیا گیا اور ولید نے اجازت دیدی کہ اس نے جس جس کے ساتھ جو جو ظلم کیے ہیں وہ اس کا انتقام لے لیں، امامؑ نے اس کی تمام گستاخیوں اور جبارتوں کو نظر انداز کیا۔ بلکہ خود ہشام جب آپؑ کو دیکھتا تو یہی امید رکھتا کہ اب آپؑ اسے برا بھلا کہیں گے مگر فرزند رسولؐ جن کا قول یہ ہے کہ:

”اگر تمہارا ہمسایہ تمہارے ساتھ جاہلانہ سلوک کرے تو تم اس پر غصہ نہ کرو“

اپنے ہمسایہ کی دل جوئی کرتے اور فرماتے:

”اگر کوئی ضرورت ہو تو کہو، اگر کسی کے قرض دار ہو تو کہو

میں تمہارا قرض ادا کر دوں“

آپؑ کے سلوک کا یہ نتیجہ تھا کہ آپؑ کی اتباع میں کسی نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا۔

قرض خواہوں سے سلوک

آپؑ کے قرض خواہوں کا معاملہ تو درکنار آپؑ ہمیشہ بر بنائے مروت و سخاوت دوسروں کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے اور اپنے وعدہ کے مطابق

لے ادا فرماتے۔

امانت رکھنے والے بھی ایک طرح کے قرض خواہ ہی ہوتے ہیں اور آپؐ لوگوں کی امانتوں کے ادا کرنے کی اس حد تک تاکید فرماتے ہیں کہ ارشاد ہے:

ادائے امانت

”تم لوگوں کا ہمیشہ یہ فریضہ ہے کہ لوگوں کی امانتیں واپس کر دیا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو حق و صدق و نبوت و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا، اگر میرے والد بزرگوار حسین ابن علیؑ کا قاتل بھی اپنی وہ تلوار میرے پاس لا کر امانت رکھ جائے جس سے اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے تو میں وہ تلوار بھی بلا پس و پیش اسے واپس کر دوں گا۔“

رہن داری

اپنی ذاتی ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے جو لوگ اپنی کوئی چیز رہن رکھ کر قرض لیتے ہیں ان کو بھی آپؐ نے ایک بیش قیمت سبق دیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک مرتبہ کسی شخص سے کچھ رقم قرض لی اور بطور ضمانت اپنی عبا کے چند دھاگے اس کے حوالے کر دیے۔ پھر جب آپؐ نے اس

کی رقم واپس کرنا چاہی تو اس شخص سے کہا کہ وہ ہماری عبا کے ضمانت والے چند دھاگے واپس کر دے۔ اور فرمایا:

”مجھ جیسا شخص اپنی ضمانت کو سبک اور بے قدر نہیں کرتا“ لے

دشمنوں کے ساتھ سلوک

آپ کے دشمنوں کو بھی آپ کی طرف سے حد درجہ مروانگی اور مہربانی کا سلوک نظر آیا۔ اگر کوئی شخص آپ سے گستاخی یا جسارت کرتا تو آپ اس سے انتقام نہ لیتے بلکہ حد درجہ فروتنی و انکساری اور مہربانی سے پیش آتے اور فرماتے:

”اگر تم سچ کہتے ہو تو اللہ مجھے معاف کرے اور اگر میں سچ کہتا ہوں تو اللہ تمہیں معاف کرے“

اس طرح کی گفتگو کر کے آپ دشمنوں کو ان کی دشمنی اور غلطی کی طرف متوجہ کر لیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ:

”اگر یہ لوگ حاجمند ہیں تو ان کی حاجتیں پوری کی جائیں، اگر بھوکے ہیں تو کھانا کھلایا جائے“

ہشام جو آپ سے حد درجہ بغض و عناد رکھتا تھا آپ اس کی بھی دل جوئی فرماتے۔ حالانکہ انتقام لے سکتے تھے مگر اس کو نظر انداز فرماتے۔ مروان بن حکم کے ساتھ آپ کا سلوک تو ناقابل یقین ہے جب اہل مدینہ نے حکومتِ یزید سے اظہارِ نفرت کے لیے شورش برپا کی،

تو مروان کی ساری املاک معرضِ خطر میں آ گئیں اور اسے اپنے خاندان کے تحفظ کی فکر ہوئی۔ اہل مدینہ میں جس سے بھی رجوع کیا، سب نے تحفظ دینے سے انکار کیا۔ کوئی شخص اس کے گھر والوں کو اپنے پاس رکھنے پر راضی نہ ہوا۔ مروان بہت پریشان تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر لشکرِ شام اور لشکرِ اہل مدینہ میں ٹکراؤ اور تصادم ہوا تو ہر صورت میں بنی امیہ اور خصوصاً اس کے خاندان کا وجود خطرے میں ہے۔ اگر لشکرِ یزید کو فتح ہوئی تو اہل مدینہ انتقاماً بنی امیہ کو جو ان کے دسترس میں ہیں، زندہ نہ چھوڑیں گے اور اگر اہل مدینہ کے لشکر کو فتح ہوئی تو اس کے فوجی فتح کے بعد اپنے مخالفین کو تہ تیغ کرنے سے باز نہ آئیں گے اور بنی امیہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔ اس طرح نجات کا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا۔

اسی فکر میں سرگرداں اور پریشان تھا کہ کیونکر اپنی جان بچائے کیونکہ اہل مدینہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس کے ساتھ اس نے بڑا سلوک نہ کیا ہو۔ اور یہی تو وہ شخص تھا جو دارالامارۃ میں بیٹھ کر حاکم مدینہ کو قتلِ حین^۱ پر ابھار رہا تھا۔ یہی وہ تھا جو ہمیشہ خاندانِ رسالت کے ساتھ نیش زنی کرتا رہا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ وہ اتنا بڑا ہے کہ کوئی اس کو پناہ دینے کے لیے تیار نہیں۔

اس اضطراب کے عالم میں اسے امام زین العابدینؑ کا اسمِ گرامی یاد آیا اور امید کی ایک کرن نظر آئی۔ سوچا کہ امامؑ اپنے زمانہ کے ایک عظیم ترین انسان ہیں۔ زہد و تقویٰ، عصمت و عفت کے معدن ہیں۔ مگر کیا وہ یہ عنایت کریں گے؟ وہ خوب جانتا تھا کہ اس نے امامؑ کے خاندان سے کتنی بدسلوکیاں کی ہیں۔ اس نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جو جساءتیں کی ہیں

کیا امامؑ اسے بھول جائیں گے؟ مگر اسی امید و بیم کی کشمکش ہیں وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ میرے گھر والوں کو براہ کرم آپؑ اپنی پناہ میں لے لیں۔ امامؑ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی مہربانی اور بخشش کی مستقل ایک دنیا تھے۔ قبول کر لیا۔

سچ ہے اگر مروان بذکرین انسان تھا تو امامؑ ایک بہترین انسان تھے۔ اگر مروان انتہائی بزدل انسان تھا تو فرزندِ فاطمہؑ شجاع ترین انسان تھے سچ ہے آپؑ انتہائی پُر عظمت و روحانیت اور اندازہ و قیاس سے بالاتر دینی پیشوا تھے۔

اہل مشورہ سے سلوک

وہ ہمیشہ اپنے امور میں اللہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے ظاہر ہے کہ وہ اعلم زمانہ تھے۔ ان کے پاس علم لدنی تھا۔ ایسی ہستی اپنے کاموں میں سوائے خدا کے اور کسی سے کیا مشورہ کرتی۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”پروردگار میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں اس لیے کہ تو ہر شے سے واقف ہے۔ جس کام کا کرنا بہتر ہو وہ بذریعہ الہام مجھے بتا دے اور اسے تو میرے لیے اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنا دے تاکہ میں تیرے فیصلے پر سر تسلیم خم کروں۔ اور شکوک و شبہات کو میرے دل سے نکال دے اور یقین پیدا کر، جو کچھ تیری مشیت کے مطابق مجھ پر گزے میں اس پر راضی رہوں۔ جو بات مجھے

کیا امامؑ اسے بھول جائیں گے؟ مگر اسی امید و بیم کی کشمکش ہیں وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ میرے گھر والوں کو براہ کرم آپؑ اپنی پناہ میں لے لیں۔ امامؑ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی مہربانی اور بخشش کی مستقل ایک دنیا تھے۔ قبول کر لیا۔

سچ ہے اگر مروان بذکرین انسان تھا تو امامؑ ایک بہترین انسان تھے۔ اگر مروان انتہائی بزدل انسان تھا تو فرزندِ فاطمہؑ شجاع ترین انسان تھے سچ ہے آپؑ انتہائی پر عظمت و روحانیت اور اندازہ و قیاس سے بالاتر دینی پیشوا تھے۔

اہل مشورہ سے سلوک

وہ ہمیشہ اپنے امور میں اللہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے ظاہر ہے کہ وہ اعلم زمانہ تھے۔ ان کے پاس علم لدنی تھا۔ ایسی ہستی اپنے کاموں میں سوائے خدا کے اور کسی سے کیا مشورہ کرتی۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”پروردگار میں تجھ سے خیر کا طالب ہوں اس لیے کہ تو ہر شے سے واقف ہے۔ جس کام کا کرنا بہتر ہو وہ بذریعہ الہام مجھے بتا دے اور اسے تو میرے لیے اپنی خوشنودی کا ذریعہ بنا دے تاکہ میں تیرے فیصلے پر سر تسلیم خم کروں۔ اور شکوک و شبہات کو میرے دل سے نکال دے اور یقین پیدا کر، جو کچھ تیری مشیت کے مطابق مجھ پر گزے میں اس پر راضی رہوں۔ جو بات مجھے

پسند ہے وہ مجھے ناپسند نہ ہو اور جو تجھے ناپسند
ہے وہ مجھے پسند نہ ہو۔“

راہنما سے سلوک

امامؑ کا رہنما ان کا خدا ہے۔ امامؑ کے تمام اعمال اس امر کے
گواہ ہیں کہ وہ کتنی اطاعت گزاری کے ساتھ اس عظیم رہنمائی کے لیے
کوشش کرتے۔ فرماتے ہیں :

”اس خدا کی حمد کہ جو سب سے پہلا موجود ہے اور
سب سے آخری موجود ہے۔ اس کے بعد کوئی موجود
نہیں ہے۔“

ہاں خدا جو چاہتا ہے وہی کام آپؐ کرتے ہیں اور حتی المقدور کوشش
فرماتے ہیں کہ اپنے اس عظیم رہنما کے بے حد و حساب لطف و کرم کے
لائق کچھ شکر ادا کر سکیں۔

سائل کے ساتھ سلوک

آپؐ سائل کو اس طرح خوش آمدید کہتے ہیں کہ :

”خوش آمدید، تو نے میرے سامانِ آخرت میں اضافہ

کیا اور اس دنیا کے لیے زاد و توشہ فراہم کر دیا۔“

آپؐ کا دسترخوان ہمیشہ گسترہ رہتا تاکہ حاجت مند اور بھوکے میر ہو سکیں۔

خود اللہ کی بارگاہ میں یوں سائل بنتے ہیں :

”اے خدا ! اے حاجت مندوں کی آخری امید۔ اے

وہ ذات کہ لوگوں کو اپنے مقصد تک پہنچانا تیرے ہاتھ میں ہے۔ اے وہ ذات کہ تو لوگوں کو اتنا دیتا ہے کہ بے نیاز ہو جاتے ہیں مگر تجھ سے پھر بھی بے نیاز نہیں ہوتے۔ اے وہ ذات کہ تجھ سے دعا کا سلسلہ ہمیشہ رہے گا، کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ پروردگار! میری تجھ سے ایک حاجت ہے، اس کا حاصل کرنا میری طاقت سے باہر ہے اور میں اس کی تدبیر سوچتے سوچتے تھک گیا ہوں۔ میرا نفس ان لوگوں سے سوال کرنے کو کہتا ہے جو تجھ سے سوال کرتے اور تیرے حاجت مند ہیں۔ گناہگاروں سے اسی بنا پر لغزشیں ہوتی ہیں۔ لیکن میں تیرے انتباہ پر غفلت سے ہوشیار رہا اور تیری توفیقات کی وجہ سے لغزشوں سے بچ گیا۔

اور میں نے کہا سبحان۔ ایک محتاج دوسرے محتاج سے کیا سوال کرے۔ ایک فقیر دوسرے فقیر کے دروازے پر بھیک مانگنے کیا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ میں تجھ سے کتنا ہی بڑا سوال کروں مگر وہ تیری غنا اور قدرت کے سامنے کچھ نہیں ہے۔ میری آرزوئیں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں، وہ تیری رحمت کے سامنے بے حقیقت ہیں۔ پروردگار! میں نے تیرے فضل و احسان پر بھروسہ کر کے دعا

کے لیے زبان کھول ہے۔ میں تجھے واسطہ دیتا ہوں خود
تیری ذات اور محمدؐ و آل محمدؐ کا کہ مجھے ناامید
واپس نہ کرنا ۛ

امام زین العابدین علیہ السلام اس طرح ہمیں سبق دیتے ہیں کہ ہم لوگ
خدا کے سوا کسی مخلوق سے سوال نہ کریں۔

رازدار سے سلوک

کسی کاردار افشانہ کرنا چاہیے۔ کسی کے راز کو راز رکھنا اس پر
سب سے بڑا احسان ہے اور اللہ سے بہتر لوگوں کے بھیدوں کا چھپانے
والا کون ہے؟

آپ فرماتے ہیں:

”اے خدا تیرا شکر کہ تو سب کچھ جانتے ہوئے بھی
گناہوں کا پردہ پوش ہے۔ واقف ہونے کے
باوجود درگزر کر دیتا ہے۔ ہم سب آلودہ گناہ ہیں
مگر تو اس کو آشکار نہیں کرتا۔ ہم سے بُرے
اعمال سرزد ہوتے ہیں لیکن تو نے ہمیں رہوا نہیں
کیا۔ ہم کتنی ایسی برائیوں اور خطاؤں کے مرکب
ہوئے کہ جن سے صرف تو آگاہ ہے، دوسرے کو
معلوم نہیں اور اس کو ظاہر کرنے کی تجھ سے
زیادہ کس میں طاقت ہے۔ مگر تیری رحمت
نے لوگوں کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے اور

تو لوگوں کے کانوں کے درمیان حائل ہو گیا۔
آپؐ کا یہ سب کچھ فرمانا ہم لوگوں کے لیے نصیحت تھی کہ بُرے
اعمال اور خوئے بد سے کنارہ کشی اختیار کریں۔

بدسلوکی کرنے والوں سے سلوک

اپنے ساتھ براسلوک کرنے والوں کو درگزر کرنا اور ان کے ساتھ
نرمی سے پیش آنا آپؐ کے اندر بے حد تھا۔ آپؐ کوشش کرتے تھے
کہ بدی کا جواب نیکی سے دیں۔

اور اس طرح آپؐ لوگوں کو سبق دے رہے تھے۔ ایک مرتبہ
ایک شخص اپنے باپ کے قاتل کو پکڑ لایا۔

امامؑ نے ارشاد فرمایا:

”ثبوت بہم پہنچنے کے بعد اس سے قصاص لینا چاہیے
لیکن اگر معاف کر دیا جائے تو بہتر ہے۔“

مشرک قیدیوں کے ساتھ سلوک

اب ہم امامؑ کی وہ گفتگو سنیں گے جو آپؐ نے مشرک قیدیوں
کے متعلق فرمائی۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ:

”اگر تم نے کسی مشرک کو قیدی بنایا ہے اور اس
میں تمہارے ساتھ چلنے کی طاقت نہیں اور تم اس
کو اٹھا کر بھی نہیں لا سکتے تو اس کو آزاد کر
دو۔ قتل نہ کرو اس لیے کہ تمہیں نہیں معلوم کہ

اس کے متعلق حکم امام کیا ہے ؟

معاشرہ انقلاب کی راہ پر

کوفہ اور شام کی شاہراہوں سے جو انقلاب برپا ہوا تھا، وہ تمام شہروں میں پھیل گیا۔ امام حسینؑ کی شہادت اور امام زین العابدینؑ کے خطبات نے اپنا اثر دکھایا اور لوگوں کے لیے حکومتِ وقت کے اقدامات سے اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کا سبب بنا۔

مکہ میں عبداللہ ابن زبیر نے سید الشہداءؑ کی شہادت کو یزید کی مخالفت کا پہاڑ بنایا اور اموی حکومت کے خلاف علمِ مخالفت بلند کیا۔ وہ خود حکومت کا خواہشمند تھا اور واقعہ کر بلا کے عوام پر اثرات سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے عوام کی مدد سے سرزمینِ حجاز پر اپنا تسلط جمالیا۔

مدینہ کا وفد دمشق میں

مدینہ بھی چونکہ سید الشہداءؑ کا وطن تھا اور خاندانِ محمدیؐ سے لوگوں کے تعلقات تھے، اس لیے لوگوں نے مکہ سے وفد سے ہزاروں کا اظہار کیا اور حکومت بنی امیہ کی طرف سے لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آگئی چنانچہ وہاں سے کچھ لوگوں کا ایک وفد دمشق گیا تاکہ وہاں پہنچ کر حکومت کے روبرو اعتراض کر سکیں۔ مگر وہاں حکومت کی طرف سے ان کی سرگرم پذیرائی ہوئی تاکہ یہ لوگ اپنے اعتراضات سے باز آجائیں اور یہ بیان دیں کہ ہم نے وہاں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ چنانچہ ان کو بہت سے عطیات و انعامات سے نوازا گیا تاکہ مدینہ واپس جا کر بنی امیہ کی حکومت کی بدنامی کی تحمیری نہ کریں۔ مگر ان تمام کوششوں کے باوجود جب یہ وفد مدینہ واپس آیا تو اس نے یزید کی بُری صحبتوں کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ وہ کتے ساتھ رکھتا ہے، شراب پیتا ہے، فساد پھیلاتے ہوئے ہے، لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور ان لوگوں کا بیان یہ بھی تھا کہ :

”ہم لوگ ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہے ہیں جس کا کوئی دین نہیں۔ وہ شراب پیتا ہے، گانے بجانے میں مشغول رہتا ہے، کنیزیں اس کے سامنے گاتی بجاتی ہیں، کتوں سے کھیلتا ہے، کینوں اور غلاموں کی صحبت میں بیٹھتا ہے۔ تم گواہ رہو کہ ہم نے اس سے خلع بیعت کر لیا ہے۔“

خدا کی قسم مجھے یزید نے ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس کے صحیح حالات تم لوگوں کو نہ بتائیں۔ خدا کی قسم وہ شراب پی کر اتنا مدہوش ہو جاتا ہے کہ نماز کو بھی ترک کر دیتا ہے یا لے

اہل مدینہ نے یہ واقعات سننے کے بعد یزید کو خلافت سے معزول کرنے اور کسی دوسرے کو خلیفہ بنا دینے کا ارادہ کر لیا اور اسی دن عامل یزید کو شہر سے باہر نکال دیا اور خلع بیعت کا اعلان کر دیا۔

مدینہ پر فوج کشی

یہ خبر جب مرکز تک پہنچی تو یزید نے اس مخالفت کی سرکوبی اور اعتراضات کا گلہ دبانے کے لیے مسلم بن عقبہ معروف بہ مسرت کو کئی ہزار کی فوج کے ساتھ یہ حکم دے کر مدینہ بھیجا کہ اہل مدینہ کو کچل دے تین دن تک قتل عام جاری رکھ اور فوجیوں کو کھلی چھٹی دے دے کہ وہ اہل مدینہ کے ساتھ جو سلوک چاہیں کریں اور اہل شہر کے جان و مال اور عزت و آبرو کو لوٹیں۔

جب یزید کا یہ غارتگر حاکم منزل پر پہنچا تو اس نے مدینہ کو فتح کیا اور حکم دیا کہ سارے شہر کو لوٹ لیا جائے۔ نتیجہ میں سارا شہر خون میں ڈوب گیا۔ تین دن تک خونریزی اور بدکاریوں کے بعد اب اہل مدینہ

سے بیعت لینے کا وقت آیا۔ مگر اس کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ امامؑ سے بیعت طلب کرتا۔ اگرچہ اس کے دل میں امامؑ کی طرف سے کوئی خلوص نہ تھا اس لیے کہ وہ مجسم بدی اور یہ مجسم خیر و نیکی، مہلا دونوں کا کیا میل۔ مگر دربار شام میں امامؑ کے مجاہدانہ کارنامہ کا ایسا اثر تھا کہ مسرت نے یزید کا مفاد اسی میں دیکھا کہ آپؑ سے بیعت نہ طلب کرے۔

اہل مکہ کی سرکوبی

اس طرح مسرت نے اہل مدینہ کی بغاوت کو فرو کیا اور اب عبد اللہ ابن زبیر کی سرکوبی کے لیے مکہ روانہ ہوا۔ راستہ ہی میں واصل جہنم ہوا لیکن مرتے مرتے حصین بن نمیر کو اپنا جانشین بنا گیا۔ حصین بن نمیر عقل و شعور سے خالی اور بے رحمی و جہالت سے بھرا ہوا تھا۔ عبد اللہ بن زبیر کی سرکوبی کے لیے اس نے شہر مکہ میں آگ لگوا دی جس میں خانہ کعبہ ہے۔ اس پر منجنیق سے سنگ باری کرائی اور اس کی بھی پرواہ نہیں کی کہ خانہ کعبہ کو گزند پہنچے گا۔ اسی اثنا میں بنی امیہ کے خلیفہ یعنی یزید کی موت کی خبر ہر طرف پھیل گئی اور شام کی فوج مزید احکامات کے حصول کے لیے دارالحکومت یعنی دمشق واپس ہو گئی۔

معاویہ بن یزید کی خلافت سے دستبرداری

یزید جیسے قابل نفرت حاکم کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے معاویہ بن یزید کے پاس خلافت آئی۔ امام زین العابدینؑ کی وہ

معرکہ آرائی جو آپ نے مقصد عاشورا کی اشاعت کے لیے فرمائی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اموی حکام کا کردار لوگوں کے سامنے آگیا اور حد یہ کہ معاویہ بن یزید مملکت اسلامی کا سربراہ بھی ہوش میں آگیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ اموی سیاست بازوں نے کیا کیا حرکتیں کی ہیں۔ اس نے صفائی قلب کے ساتھ امام زین العابدینؑ کی باتوں کو اپنی تقریر میں دہرایا اور اپنے اسلاف کے جرائم اور غلط کاریوں کے متعلق پوری تفصیل دی۔ وہ کہتا ہے :

معاویہ بن یزید کی تفسیر اور

اپنے اسلاف کے جرائم کا اقرار

”میں جانتا ہوں کہ ہم بنی امیہ کا تم لوگوں کے ساتھ برا سلوک ہو رہا ہے اور تم لوگ ہم پر طعن و تشنیع اور اعتراض کرتے ہو۔ تم لوگ جانتے ہو کہ میرے دادا معاویہ نے اس ذات سے جنگ کی جو خلافت کے اس سے زیادہ اہل تھے، اس لیے کہ وہ رسول اکرمؐ کے سب سے زیادہ قریبی تھے، ان کا حق اسلام کی گردن پر تمام لوگوں سے زیادہ تھا، وہ سابق الاسلام تھے، انھیں پہلے ایمان لائے تھے، ان کے چچازاد بھائی اور ذریت خاتم الانبیاءؑ کے باپ تھے۔ میرا دادا معاویہ ان سے الجھ پڑا اور اس نے جو کام

تم لوگوں سے لینا چاہا لیا۔ اور تم لوگوں نے بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ یہاں تک کہ وہ گرفتار اجل ہوا اور چل بسا اور اپنے اعمال میں گرفتار ہوا۔ اس کے بعد میرا باپ مسند خلافت پر آیا۔ وہ اس لائق نہ تھا کہ کوئی خیر و نیکی کرے۔ وہ اپنی خواہشات نفس کا تابع رہا۔ وہ اپنے اشتباہات کو خوب جانتا تھا، لمبی چوڑی امیدیں رکھتا تھا مگر اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ بالآخر موت آگئی اور اس کی دراز دستی ختم ہو گئی۔ اس کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اب اپنی قبر میں اپنے گناہوں اور ارتکابِ جرائم کی سزا کاٹ رہا ہے۔

سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ بڑی موت مرا اور اس کی عاقبت بھی بڑی ہی ہوگی، اس لیے کہ اس نے پیغمبر کی عترت کو قتل کیا، ان کی حرمت کو برباد کیا اور خاندانِ کعبہ تک میں آگ لگوائی۔“

یزید کا بیٹا خود یزید کی بڑائیوں کو دوبارہ سن رہا ہے اور بنی امیہ کی حکومت کے غیر اسلامی ہونے کا اقرار کر رہا ہے۔ لیکن چند ہی دن بعد وہ بھی مر گیا اور شاید بنی امیہ اور بنی مروان کے نجس و ناپاک افراد نے اس کی اس حق گوئی پر زہر پلا دیا کہ جس سے ممکن تھا کہ اہل اسلام بیدار

ہو جاتے اور حق خُدا کو واپس کر دیتے۔

بنی مروان کی حکومت

بہر حال معاویہ بن یزید کی موت کے بعد سلطنت بنی امیہ سے منتقل ہو کر بنی مروان کو پہنچی۔ اس سیاسی کشمکش اور مدینہ اور مکہ پر حملہ نے عوام کے جذبات کو اُبھارا اور ایک بہت بڑے انقلاب کے لیے زمین ہموار ہو گئی اور زمانہ پُر آشوب ہو گیا۔

کوفہ جاگ اٹھا

اہل مکہ اور مدینہ کی فریاد اور وادیا سے کوفہ بھی جاگ اٹھا اور شورش برپا کرنے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اصولاً اہل کوفہ کو سب سے زیادہ اور سب سے پہلے گرفتار عذاب ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ یہی ان تمام مصائب اور شورشوں کی بنیاد تھے۔ ان ہی نے فرزندِ رسولؐ کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور ان کی مدد و نصرت کا وعدہ کیا مگر جب ایفائے وعدہ کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے وعدوں کے بالکل برعکس عمل کیا اور صرف یہی نہیں کہ فرزندِ رسولؐ کی مدد نہیں کی بلکہ ان کے مقابلہ میں ہلوار کھینچ لی اور قتل تک کر دیا اور اب اس آگ کا دھواں جو ان لوگوں نے خود بھڑکائی تھی انہیں کی آنکھوں میں لگ رہا ہے اور خود انہیں کو تکلیف ہو رہی ہے۔ آلِ مروان کی حکومت ایسی بدی اور سخت گیری کی حکومت تھی کہ جس میں آئینِ اسلام کے خلاف ہر وقت کوئی نہ کوئی نغمہ چھڑا رہتا۔ یہ حکومت لوگوں کا استحصال کرتی، طبقہ بندیوں کے نظام کی بنیاد مضبوط کرتی اور ادھر اہل کوفہ اس امر پر تیار نہ تھے کہ ایسی حکومت

کو تسلیم کریں جو اسلام سے خیانت کرتی ہو، بیگناہوں کو قتل کرتی ہو،
 اسلامی اصولوں سے منحرف ہو اور قتل و غارت پیشہ ہو۔
 ان کے سامنے امام حسینؑ آئیں اسلام کا مکمل نمونہ تھے جنہیں
 ان سیاسی درندوں نے قتل کیا تھا۔ لہذا انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ
 ایسی حکومت کی بنیاد کو ہلا دیں گے اور اکھیر پھینکیں گے اور شہید کر بلا
 کے خون کا انتقام لیں گے۔ حادثہ کربلا اور آل محمدؑ کے مصائب کی یاد
 ان کے کلیجہ میں آگ لگائے ہوئے تھی اور اس امر پر آمادہ کیے ہوئے
 تھے کہ اس کے ذمہ دار امر اور حکام سے جنگ کر کے اپنی گزشتہ تساہلیوں
 کی تلافی کریں گویا ان کے کانوں میں ہر وقت ایک شاعر کے یہ اشعار
 گونج رہے تھے:

”میں نے بنی ہاشم کے محلہ میں آل محمدؑ کے گھروں
 کو گھوم پھر کر دیکھا، پہلے تو یہ گھر بھرے نظر
 آتے تھے مگر اب بالکل خالی نظر آتے ہیں۔
 پروردگار تو ان گھروں کو سلامت رکھ اور ان
 کو پھر سے آباد کر دے جو آج اپنے مکینوں سے
 خالی ہیں۔“

سچ ہے کہ شہیدانِ فخر بنی ہاشم کی شہادت سے مسلمانوں کی گردنیں جھک
 گئیں وہ دنیا کے سامنے بہت ذلیل اور رسوا ہوئے۔ یہ آل محمدؑ جو لوگوں
 کے لیے سرمایہٴ امید و آرزو تھے، آج مصیبت اور بڑی مصیبت میں
 مبتلا ہیں۔

اب جس امیر و سرمایہ دار کی گردن پر ہمارے آقاؤں کا ایک

قطرہ خون بھی ہے، وہ انشا اللہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ سلیمان بن صرد غزاعی کے مکان میں اکابرین و رؤسائے شیعہ کا ایک اجتماع ہوا اور واقعہ کربلا پر انتہائی تاسف کا اظہار کیا گیا۔

مسید بن نجبہ کی تقریر

مسید بن نجبہ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور سید الشہداء کے ساتھ اہل کوفہ کی بے وفائی کا ذکر کر کے انتہائی پشیمانی کا اظہار کیا اور اب پوری دلیری کے ساتھ ہمدردی کرنے کو تیار تھا۔ وہ کہتا ہے کہ :

”ایسا ہوا کہ ہم لوگ آپ اپنی تعریف اور دوستوں کی داد و تحسین ہی میں لگے رہے کہ اتنے میں اللہ نے ہمارے نیکو کاروں کا امتحان لیا اور ہم لوگوں کو دو موقعوں پر جھوٹا پایا۔ ایک وہ موقع کہ جب واقعہ کربلا سے پہلے دختر رسولؐ کے فرزند کے اتمامِ حجت کے لیے بہت سے خطوط ہم لوگوں کو پہنچے، ان کے قاصد و سفیرائے اور آغاز و اختتام پر بظاہر و بہ باطن ہم سے نصرت کے طلب گار ہوئے مگر ہم نے اپنی جانیں بچائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمارے قرب و جوار میں آکر شہید ہو گئے اور ہم لوگوں نے دہاتھ سے ان کی مدد کی نہ زبان سے ان کا دفاع

کیا، نہ مال سے ان کی مدد کی اور نہ اپنے قبیلے
 کو ان کی مدد کی دعوت دی۔ اب ہم لوگ
 اللہ کے سامنے کیا عذر پیش کریں گے اور اللہ
 کے رسولؐ کو کیا منہ دکھائیں گے کہ ان کا فرزند
 اور ان کی آل ہم لوگوں کے درمیان آکر قتل
 ہو گئی۔ خدا کی قسم اپنے پاس اس کا کوئی عذر
 نہیں۔ پس اب یہ ممکن ہے کہ ان کے قاتلوں
 کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے امام حسینؑ کے
 خلاف ان قاتلوں کی مدد کی، انہیں قتل کریں یا
 خود قتل ہو جائیں۔ شاید اللہ ہمارے اس عمل
 سے ہم لوگوں سے راضی ہو جائے اور جب
 اللہ کی بارگاہ میں پہنچیں تو سزا سے بچ سکیں۔
 لہذا اے لوگو! تم لوگ اپنے ہی میں سے
 ایک سردار منتخب کر لو۔ تمہیں اس سلسلہ
 میں ایک امیر اور ایک قائد کی ضرورت ہوگی
 تاکہ تم اس کی ہدایات پر چلو اور اس کے پرچم
 کے نیچے جمع ہو جاؤ۔ بس مجھے یہی کہنا تھا اور
 میں خدا سے اپنے لیے اور تمہارے لیے بخشش و
 آمرزش کا طالب ہوں یہ۔

۱۲۱ کی اس تقریر کے بعد چند اور لوگوں نے بھی تقریریں کیں اور اس پر

گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر لوگوں نے سلیمان بن صرد کو حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لیے اپنا امیر منتخب کر لیا۔
 سلیمان بن صرد اصحاب پیغمبرؐ میں سے تھے۔ انھوں نے
 سید الشہدار کی جانگداز شہادت کو یاد کر کے انتقام خون حسینؑ
 کی آواز بلند کی۔

انتقام خون حسینؑ کی تیاری

”ایہا الناس! اٹھو تم سے اللہ ناخوش ہے اور
 اپنے اہل و عیال کے پاس اس وقت تک نہ
 جاؤ جب تک کہ اللہ کو راضی اور خوشنود نہ
 کر لو۔ اگر تمہیں امید نہیں کہ وہ تم لوگوں سے
 راضی ہو جائے گا تو جب تک کہ تم لوگ
 ان کے قاتلوں کو صفحہ ہستی سے نہ مٹا دو یا
 خود نہ مٹ جاؤ، چین سے مت بیٹھو۔ موت
 سے نہ ڈرو، جو موت سے ڈرتا ہے، وہ ذلیل
 ہوتا ہے۔ اپنی تلواریں تیز کر لو، نیزوں کو
 درست کر لو، دیگر سامان جنگ اور گھوڑے
 وغیرہ فراہم کر لو اور جب تمہیں بلایا جائے تو
 فوراً آ جاؤ“۔

لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ خالد بن سعد کہتا ہے کہ:

گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر لوگوں نے سلیمان بن صرد کو حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے لیے اپنا امیر منتخب کر لیا۔
 سلیمان بن صرد اصحاب پیغمبرؐ میں سے تھے۔ انھوں نے
 سید الشہداء کی جانگداز شہادت کو یاد کر کے انتقام خون حسینؑ
 کی آواز بلند کی۔

انتقام خون حسینؑ کی تیاری

”ایہا الناس! اٹھو تم سے اللہ ناخوش ہے اور
 اپنے اہل و عیال کے پاس اس وقت تک نہ
 جاؤ جب تک کہ اللہ کو راضی اور خوشنود نہ
 کر لو۔ اگر تمہیں امید نہیں کہ وہ تم لوگوں سے
 راضی ہو جائے گا تو جب تک کہ تم لوگ
 ان کے قاتلوں کو صفحہ ہستی سے نہ مٹا دو یا
 خود نہ مٹ جاؤ، چین سے مت بیٹھو۔ موت
 سے نہ ڈرو، جو موت سے ڈرتا ہے، وہ ذلیل
 ہوتا ہے۔ اپنی تلواریں تیز کر لو، نیزوں کو
 درست کر لو، دیگر سامان جنگ اور گھوڑے
 وغیرہ فراہم کر لو اور جب تمہیں بلایا جائے تو
 فوراً آ جاؤ“۔

لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ خالد بن سعد کہتا ہے کہ:

”خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ خود اپنے کو قتل کر کے میں اپنے گناہوں سے بری کر دیا جاؤں گا تو میں خود کو ہی قتل کر لیتا۔“

میں خدا اور تمام مسلمانوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں اپنا سارا اثاثہ اس کام کے لیے مسلمانوں پر وقف کرتا ہوں، وہ اس سے سامان جنگ فراہم کر لیں، ہجر اسلو کے جس سے میں اپنے دشمنوں سے جنگ کروں گا“۔

اس کے بعد سلیمان پوری کوشش میں لگ گئے۔ وہ انتقام کی یاد ان کے حافظوں میں تازہ کرتے رہے اور جنگ کے لیے زمین ہموار کرتے رہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں شہر کوفہ کی فضاؤں میں ”اے خون حین“ کا انتقام لینے والو“ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جان کی بازی لگانے والوں نے تلوار اٹھائی اور سلیمان کے پاس پہنچ گئے مگر اس مرتبہ پھر کوفیوں نے اپنی پست فطرت کا مظاہرہ کیا۔ دوزنگی چال چلے اور سلیمان کو بھی تنہا چھوڑا یعنی جن لوگوں نے اس کام کے لیے اپنی جان دینے کا عہد و پیمان کیا تھا ان میں سے نصف سے بھی کم لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہی۔ مقام نخیلہ پر وہ سلیمان کے پاس پہنچے۔

سلیمان نے یہ دیکھ کر کہ اس وقت بھی کتنے ہمارے ساتھ ہیں اور کتنے نہیں، بہت کچھ اندازہ کر لیا کہ مسلمانوں کے دل میں اسلام کا کتنا دروس ہے اور امام حسینؑ کے دل میں اسلام کا کتنا درد تھا اور پھر

”خدا کی قسم اگر مجھے یقین ہوتا کہ خود اپنے کو قتل کر کے میں اپنے گناہوں سے بری کر دیا جاؤں گا تو میں خود کو ہی قتل کر لیتا۔“

میں خدا اور تمام مسلمانوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں اپنا سارا اثاثہ اس کام کے لیے مسلمانوں پر وقف کرتا ہوں، وہ اس سے سامان جنگ فراہم کر لیں، ہجر اسلمہ کے جس سے میں اپنے دشمنوں سے جنگ کروں گا“۔

اس کے بعد سلیمان پوری کوشش میں لگ گئے۔ وہ انتقام کی یاد ان کے حافظوں میں تازہ کرتے رہے اور جنگ کے لیے زمین ہموار کرتے رہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں شہر کوفہ کی فضاؤں میں ”اے خون حین“ کا انتقام لینے والو“ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جان کی بازی لگانے والوں نے تلوار اٹھائی اور سلیمان کے پاس پہنچ گئے مگر اس مرتبہ پھر کوفیوں نے اپنی پست فطرت کا مظاہرہ کیا۔ دوزنگی چال چلے اور سلیمان کو بھی تنہا چھوڑا یعنی جن لوگوں نے اس کام کے لیے اپنی جان دینے کا عہد و پیمان کیا تھا ان میں سے نصف سے بھی کم لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہی۔ مقام نخیلہ پر وہ سلیمان کے پاس پہنچے۔

سلیمان نے یہ دیکھ کر کہ اس وقت بھی کتنے ہمارے ساتھ ہیں اور کتنے نہیں، بہت کچھ اندازہ کر لیا کہ مسلمانوں کے دل میں اسلام کا کتنا درد ہے اور امام حسینؑ کے دل میں اسلام کا کتنا درد تھا اور پھر

یہ بھی کہ جناب مسلم بن عقیلؑ کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا جب ان کو فیوں نے آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیا اور آپؐ کو فہ کی گلیوں میں تنہا جائے امن تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

یہ بھی محسوس کر لیا کہ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے دل پر کربلا میں کیا گزری ہوگی جب آپؐ کو دعوت دے کر بلانے والے خود آپؐ کے مقابلے پر تلوار کھینچ کر سامنے آ گئے۔

مگر سلیمان نے اپنے مقصد کے پیش نظر اپنی گفتگو یہ کہہ کر ختم کی۔

سلیمان کی تقریر

”ایہا الناس! جو شخص تقرب الہی اور حصولِ ثوابِ آخرت کے لیے آیا ہے، وہ ہم میں سے ہے اور ہم اس میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں ان پر رحم کرے گا۔ اور جو شخص دنیا اور دنیاوی نفع چاہتا ہے تو خدا کی قسم ہم لوگ مالِ غنیمت کی خواہش میں یہ قدم نہیں اٹھا رہے ہیں۔ ہمارا مقصد صرف رضائے الہی کا حصول ہے پروردگار تو دیکھ رہا ہے کہ ہم لوگوں کے پاس نہ سونا چاندی ہے، نہ حریر و دیبا کے لباس بلکہ ہمارے دوش پر ایک تلوار ہے اور ہاتھ میں ایک نیزہ ہے اور زادِ سفر بھی صرف اتنا کہ ہم لوگ دشمن تک پہنچ سکیں۔ اب جس کے دل میں اس

کے علاوہ کوئی اور مقصد ہو وہ ہمارے ساتھ
نہ آئے۔ ۱۷

یہ سنکر ان کے ساتھیوں نے کہا ہم لوگ تیغ کے پھل اور نیزوں کی انیاں
کھانے چل رہے ہیں اس کے سوا ہمارا بھی کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ ۱۸

سیلمان کا لشکر اور حسینؑ پر حاضری

اب یہ لوگ نخیلہ سے باہر نکلے اور وہاں سے سیدھے مزار سید الشہداءؑ
پر پہنچے۔ وہاں تا دیر آنسو بہاتے رہے، آہ و زاری کرتے رہے اور آپ
کے ساتھ ہی ارادہ شہادت کا اظہار کرتے رہے اور یہ کہتے رہے:

”پروردگار! ہم لوگ نواسہ رسولؐ کی مدد نہ کر سکے،

ہمارے گناہوں کو بخش دے کہ تو توبہ کو قبول

کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ حینؑ اور

اصحاب حینؑ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

پروردگار! ہم لوگ تجھے گواہ کر کے کہتے ہیں کہ

ہم لوگ بھی اسی راستہ پر ہیں جس راستہ پر چل کر

یہ لوگ شہید ہو گئے۔ اگر تو ہم پر رحمت نہ

فرمائے گا، ہمیں نہ بخشے گا تو ہم لوگ آخرت

کا خسارہ برداشت کرنے والوں میں ہو جائیں گے۔ ۱۹

مزار امامؑ پر پہنچ کر ان لوگوں کے دلوں میں شجاعت کی روح پیدا

ہو گئی اور وہ اس طرح کے اشعار پڑھنے لگے:

”ہم لوگوں نے قاتلانِ امام حسینؑ کو نیست و نابود کرنے کے لیے اپنا وطن، اپنے اہل و عیال، اپنا مال و منال سب کچھ چھوڑا۔ خدا کی قسم اگر ان قاتلوں کو تلاش کرتے ہوئے مغرب کے آخری سرے پر بھی جانا پڑے تو جائیں گے اور انھیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ ان سے جنگ کریں گے اور اگر شہید ہو گئے تو اس کی جوا جنت ہے“۔

ایک اور شخص اس طرح کے اشعار پڑھتا ہے:

”لو وہ خود نکلے اور عنقریب ہم تک پہنچنے والے ہیں۔ ہم تو چاہتے ہی تھے کہ ان قاتلانِ امامؑ سے جنگ کریں۔ ان ظالم، بے دین اور گمراہ قاتلوں سے جنگ کریں“۔

”ہم لوگوں نے اپنے گھر والوں، اپنے مال و دولت اپنی پرودہ نشین عورتوں تک کو نظر انداز کیا تاکہ اس منعم حقیقی کی رضا حاصل کریں“۔

شامی لشکر سے مقابلہ اور خاتمہ

الغرض ان افکار و خیالات کے ساتھ توبہ کرنے والوں اور استقامت خونِ حسینؑ کے طلب گاروں کا یہ گروہ عین الورود تک پہنچا اور چند ہی

دنوں میں شام کا لشکر بھی ان انقلابیوں کی سرکوبی کے لیے وہاں پہنچ گیا۔ آپس میں کشمکش کے بعد جنگ شروع ہوئی۔

ان میں کچھ لوگ اس لیے لڑ رہے تھے کہ اپنی جان بچائیں اور کچھ لوگ اس لیے لڑ رہے تھے کہ اپنی جان دیدیں اور درجہ شہادت پر فائز ہوں۔ یہ جانبازی چاہتے تھے کہ کربلا کے خونین میدان سے اٹھنے والی صدائے استغاثہ امام کا جواب دیں اور بتادیں کہ ان تصوراتِ باطل کے خلاف آپ کی یہ صدا آپ کی شہادت پر ختم نہیں ہوئی بلکہ تاریخِ انسانی میں ظالموں اور بیدار گروں کے خلاف یہ جنگ کا آغاز ہے اور یہ دکھا دیں کہ عاشور کے دن امام کی آواز ظالموں اور ستمگروں کے خلاف جنگ کرنے کا اعلان ہے۔

یہ لوگ نہایت دلیری کے ساتھ لڑتے رہے اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک کہ موت نے ان کو خاموش نہ کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ بہادر جنگجو اپنے خون میں نہا گئے اور سلیمان بن صرد اور دوسرے بزرگانِ قوم نے اپنا یہ مقصد حاصل کر لیا۔ ان لوگوں میں سے بہت سے جانبازوں کے قتل ہو جانے کے بعد یہ جنگ ختم ہو گئی۔ مگر ان کے نعرے یہ بتا رہے تھے کہ اس جنگ کے لیے روانہ ہونے والوں میں سے کچھ لوگ طالبِ تقویٰ تھے اور کچھ اپنی گزشتہ کوتاہیوں اور گناہوں سے تائب ہو چکے تھے۔

انھوں نے مقامِ عین الوردہ پر فوجِ شام کا مقابلہ کیا اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹے جب تک کہ ان کے بزرگ اور سردار

قتل نہ ہو گئے۔ یہ لوگ شیروں سے بھی زیادہ دلیر تھے۔ انھیں تو صرف وہ جنگ پسند تھی جس میں سرشگافتہ ہوں اور نیزہ بازی پر جنگ کا اختتام ہو۔

اس لیے جب تک بہت سے ظالموں اور حرام کو حلال کرنے والوں کو ختم نہیں کر لیا خود بھی ختم نہیں ہوئے۔ انھوں نے انتہائی بہادری کے ساتھ شیروں کی طرح لڑ کر جان دی۔

مگر اس کے باوجود کوفہ پھر بھی خاموش نہیں ہو سکا۔ اس کے گلی کوچوں میں ایک مرد اسیر اور خاتون کی آواز اب بھی گونج رہی تھی اور لوگوں کو بے چین کر رہی تھی اور اہل کوفہ کی بے وفائیوں کو یاد دل رہی تھی۔ کوفہ کی پیشانی پر ابھی تک یہ دھبہ موجود ہے اس لیے کہ ابھی تک قاتلانہ شہدائے کربلا کو ان کے اعمال کی سزا نہیں ملی ہے۔ پورا شہر ندامت سے اپنا سر جھکائے ہوئے ہے۔ امام زین العابدینؑ اور حضرت زینبؓ کی یہ آواز اب تک شہر کی پوری فضا میں گونج رہی ہے کہ:

”تمہیں لوگوں نے ہم کو بلایا، پھر ہمارے مردوں

کو دو نہروں کے درمیان پیسا سا شہید کیا، پھر ان

کی عترت کو رومی غلاموں اور کنیزوں کی طرح

گلی کوچوں میں پھرایا۔“

اس لیے سلیمان کی یہ جنگ ان کی شہادت کے بعد بھی ختم نہیں ہوئی اور ان کا بلند کیا ہوا پرچم سرنگوں نہیں ہوا۔ سلیمان کی جگہ

مختار ثقفی نے لے لی۔ اور وہی 'یا لشارت الحین' کی آواز ہے وہی
 'انتقام، انتقام' کی صدا، وہی خونِ حسینؑ کے بدلے کی باتیں ہو
 رہی ہیں۔

مختار۔

انتقام کی تیاری اور انتقام

مختار جنگ کے لیے تیاری کر رہے ہیں اور کہتے ہیں :
 » ہمارا تو دینی فریضہ ہے کہ ہم قاتلانِ حسینؑ کو
 زندہ نہ چھوڑیں۔ ہم وہ نہیں کہ آلِ محمدؑ کی محبت
 کا دم بھی بھریں اور ان کے قاتلوں کو زندہ
 چھوڑ دیں۔

اگر ہم نے ایسا کیا تو ہمیں بھی لوگ جھوٹا اور
 کذاب کے نام سے یاد کریں گے۔
 ان قاتلانِ امامؑ کے قتل کے لیے میں اللہ سے
 مدد کا خواہاں ہوں۔

مجھے قاتلانِ امام حسینؑ کے نام بتاؤ، جب تک
 میں ان سب کو ختم نہ کر لوں گا مجھ پر کھانا
 پانی حرام ہے۔

مختار انتقامِ خونِ حسین کے لیے اٹھے اور مالکِ اشتر کے بہادر فرزند
 ابراہیم بن مالک اشتر نے ان کی آواز پر لبیک کہی۔

”پروردگار تو خوب جانتا ہے کہ ہم لوگ اولاد رسولؐ کی طرف سے انتقام اور ان کے خون کا عوض لینے کے لیے آمادہ جہاد ہیں۔ ہم لوگوں کو اپنی نصرت سے سرفراز فرما“

لوگوں میں بھی ہر طرف شور مچا۔ ظالموں اور مجرمین روز عاشورا سے انتقام کا جوش جناب مختار کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ اہل کوفہ ان کے ہمنوا ہو گئے اور سب نے تلوار اٹھالی۔

ناسخ التواریخ جلد ۱ میں اہل کوفہ کا بیان ہے کہ :

”جس وقت مختار نے لوگوں کو دعوت جہاد دی ہم لوگ ان کی مدد کے لیے سرخ و سفید گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے فوراً پہنچے۔“

جس لمحہ مختار نے طالبان انتقام خون حسینؑ کو آواز دی، سب سوار ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔ اور خون حسینؑ کا انتقام لینے کے لیے تیزی کے ساتھ گھوڑے دوڑانے لگے۔“

اس طرح شہدائے کربلا کے قاتلوں سے انتقام کے لیے تلواریں نیام سے نکل آئیں اور ان لوگوں کو چُن چُن کر قتل کیا جانے لگا جو مظلومین کربلا کے قاتل تھے یا جنہوں نے لاشہ امام مظلومؑ پامال

”پروردگار تو خوب جانتا ہے کہ ہم لوگ اولاد رسولؐ کی طرف سے انتقام اور ان کے خون کا عوض لینے کے لیے آمادہ جہاد ہیں۔ ہم لوگوں کو اپنی نصرت سے سرفراز فرما“

لوگوں میں بھی ہر طرف شور مچا۔ ظالموں اور مجرمین روز عاشورا سے انتقام کا جوش جناب مختار کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ اہل کوفہ ان کے ہمنوا ہو گئے اور سب نے تلوار اٹھالی۔

ناسخ التواریخ جلد ۱ میں اہل کوفہ کا بیان ہے کہ :

”جس وقت مختار نے لوگوں کو دعوت جہاد دی ہم لوگ ان کی مدد کے لیے سرخ و سفید گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے فوراً پہنچے۔“

جس لمحہ مختار نے طالبان انتقام خون حسینؑ کو آواز دی، سب سوار ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگے۔ اور خون حسینؑ کا انتقام لینے کے لیے تیزی کے ساتھ گھوڑے دوڑانے لگے۔“

اس طرح شہدائے کربلا کے قاتلوں سے انتقام کے لیے تلواریں نیام سے نکل آئیں اور ان لوگوں کو چُن چُن کر قتل کیا جانے لگا جو مظلومین کربلا کے قاتل تھے یا جنہوں نے لاشہ امام مظلومؑ پامال

سہم اسپاں کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بغاوت شام کی سیاسی فضا کو
مبھلا کیونکر پسند آتی۔ اس نے ان شورش برپا کرنے والوں اور انتقام
خون حسینؑ طلب کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے ابن زیاد کی سرکردگی
میں ایک بڑی فوج روانہ کی۔

ابراہیم بن مالک اشتر اور ابن زیاد کی جنگ، ابن زیاد کا قتل

حق و باطل کی یہ دو طاقتیں مقامِ موصل پر ایک دوسرے کے
مقابل ہوئیں۔ ابراہیم نے پوری طاقت اور دلیری کے ساتھ دشمن کے
قلب لشکر پر حملہ کیا اور تھوڑی ہی دیر میں ان کی تیغ آبدار نے ظالم
ابن زیاد کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے۔

ان ایام میں شہر مدینہ دیگر شہروں کی نسبت ذرا پرسکون تھا۔
امام زین العابدین علیہ السلام اپنی ذات سے لوگوں کو علمی و روحانی ہدایت
و رہبری سے سرفراز فرما رہے تھے اور انھیں درسِ زندگی دے رہے
تھے کہ اسی اثناء میں خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن شہر کی فضاؤں
میں یہ آواز گونجی:

”اے اہلبیتِ نبوت و معدنِ رسالت! میں مختار
ثقلنی کا فرستادہ ہوں اور اپنے ہمراہ عبید اللہ
ابن زیاد کا سر لایا ہوں۔“

ابن زیاد کا سر امام زین العابدینؑ کی خدمت میں

اس وقت اتفاق کی بات ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام دسترخوان پر بیٹھے ہوئے غذا تناول فرما رہے تھے کہ اُن کی خدمت میں ابن زیاد کا سر پیش کیا گیا۔ شاید اس وقت امامؑ کو کوفہ کے اندر ابن زیاد کا دربار یاد آگیا ہو کہ اس ناپاک کے سامنے دسترخوان لگا ہوا تھا اور وہ اپنے سامنے سر امام حسینؑ رکھے ہوئے اپنی چھڑی سے آپ کے لب و دندان سے بے ادبی کرتا جاتا تھا اور یہ دیکھ کر امام زین العابدینؑ کا دل تڑپ اٹھا تھا اور آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ پروردگار مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک کہ میں اس منحوس کا سر بھی اسی طرح اپنے سامنے نہ دیکھ لوں۔ آپ نے ابن زیاد کا سر دیکھا اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعد قتل حسینؑ یہ آپ کے لبوں پر پہلی مسکراہٹ تھی۔

امام کا ادائیگی فریضہ حج

تاریخیں گواہ ہیں کہ ایک زمانہ میں ایک انتہائی پریشان و شوکت اور پر رعب و جلال قافلہ خانہ کعبہ کی طرف حج کے لیے روانہ ہوا۔ اس قافلہ کا سردار خلیفہ وقت عبدالملک کافر زندہ شام تھا۔ ایام حج میں ایک دن اس نے تاج شاہی سر پر رکھا اور جامہ احرام پہنا اور اپنے اراکین سلطنت کی ایک بڑی تعداد کے حلقہ میں طواف خانہ کعبہ کے لیے چلا۔ لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ خانہ کعبہ کے جاہ و جلال کے سامنے اس کا جاہ و جلال کچھ نہیں ہے اور اللہ کی بڑائی کے سامنے ہر ایک کی بڑائی چھوٹی نظر آتی ہے۔ حد و حرم میں یہ زرق برق شاہی لباس کسی طرح بھی وہ مرتبہ و قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ چونکہ ولیعہد سلطنت

تھا ہر چند کوشش کی کہ طواف کرنے والوں کی صفیں اس کو راستہ دے دیں کہ وہ حجر اسود تک پہنچ کر بوسہ دے لیکن کسی نے راستہ نہ دیا۔ ارکین سلطنت نے بھی بہت کوشش کی مگر یہ ممکن نہ ہو سکا۔ لوگوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اپنے طواف و دعا و مناجات میں مشغول رہے۔ ہشام کو بھی اوروں کی طرح رکنا پڑا تا کہ اپنے پورے ارکین کے ساتھ حجر اسود تک پہنچنے کا موقع مل سکے، حالانکہ ولیعہد کی حیثیت سے اب تک وہ جو چاہتا تھا فوراً ہو جاتا تھا۔ بالآخر اس نے جھنجھلا کر حکم دیا کہ اس اثر دہام میں ایک بلند تخت اس لیے رکھ دیا جائے کہ وہ اس پر آرام سے کھڑا رہ سکے اور بھیڑ کم ہونے کا انتظار کر سکے۔ اسی اثنا میں ایک طرف سے ایک شخص نے نرم آواز کے ساتھ اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ اور فوراً ہی تمام حجاج اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مُڑ مُڑ کر اس کے نورانی چہرے کی زیارت کرنے لگے۔ ان کو دیکھتے ہی صفیں پھٹنے لگیں، ان کے لیے راستہ بنانے لگیں تاکہ امام زین العابدینؑ پہنچ کر حجر اسود کو بوسہ دے سکیں۔ اس بے تخت و تاج کے رہنما کی طرف لوگوں کی یہ توجہ اور اس صاحبِ اقتدار اور حکماں کی طرف سے یہ بے توجہی دیکھ کر خلیفہ زادہ غصہ کی آگ میں جل اٹھا کہ باوجودیکہ وہ ولیعہد سلطنت ہے لوگ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے جبکہ امامؑ کے چاروں طرف پروانوں کی طرح حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ اس کے مقربین میں سے کسی نے ازراہ شرارت یا ازراہ سادگی ہشام سے پوچھا۔ یہ شخص کون ہے کہ جس کی لوگ اس قدر تعظیم کر رہے ہیں؟

ہشام بن عبد الملک کا تجاہل عارفانہ اور فرزدق کا فی البدیہہ مقصد

ہشام باوجودیکہ فرزند رسولؐ کو خوب اچھی طرح پہچانتا تھا مگر اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔

اس کے اس جواب پر انھیں سخت تعجب ہوا کہ یہ کیسا ولیعہد ہے کہ اسلام کے اصلی رہبر کو نہیں پہچانتا۔ مگر اس مجمع میں ایک شاعر ابو نو اس یعنی فرزدق بھی قریب ہی کھڑا تھا جو عرب کا ایک زبردست شاعر تھا۔ ہشام کا یہ تجاہل عارفانہ دیکھ کر اسے جوش آگیا۔ اس کے جذبات برا نگیختہ ہوئے اور اس نے فی البدیہہ مندرجہ ذیل تعارفی قصیدہ سنایا:

”اے ہشام اگر تو ان کو نہیں پہچانتا تو مجھ سے سُن۔
یہ وہ ہیں کہ جن کے فضائل کو قرآن اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

یہ وہ ہیں کہ جن کے دلیرانہ اقدام دیکھ کر شیروں کے دل کانپنے لگتے ہیں۔

یہ وہ ہیں کہ جن کی جود و سخا پر ابر باراں کو بھی رشک آتا ہے۔

یہ وہ ہیں کہ جن کے نشانِ قدم مگہ پہچانتا ہے،
انھیں خانہ کعبہ جانتا ہے۔ ان سے دنیا واقف ہے،
ساری مخلوق ان کی شناسا ہے، ان سے حرم آشنا ہے۔

یہ اس خاندان کے فرد ہیں جو پورے روئے زمین کے لیے باعثِ زینت ہے۔

انہی لوگوں نے اپنے علم کی روشنی سے ہمارے لیے دین کی وضاحت فرمائی۔

ان حضرات نے اپنی سخاوتوں کی بارش سے ہماری زندگی کو سرسبز و شاداب بنایا۔

یہ بہترین مخلوقِ خدا کا فرزند ہے۔^۱ ان کے تقویٰ، ان کی پاکدامنی اور پاک طینتی کی دُور دُور شہرت ہے۔

یہ وہ ہیں کہ ان کے دروازے سے کوئی ساکلی محروم واپس نہیں ہوتا۔

یہ وہ ہیں کہ ان کی تعریف میں اگر کوئی شخص اپنی دانست میں مبالغہ سے بھی کام لے رہا ہو، تو اس کا یہ مبالغہ جھوٹ میں محسوب نہ ہوگا۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے بازو ہنگامِ جہاد میں سستی نہیں کرتے۔

یہ وہ ہیں جن کے جدِ حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ یہ وصیِ رسولؐ کے فرزند ہیں، وہ وصیِ رسولؐ جن کی تلوار نے بڑے بڑے کام انجام دیے۔

یہ وہ ہیں کہ جس کو ان کے ہاتھ سے کچھ مل جائے، وہ کسی بخشش کے دریا کا نام بھی

نہ لے گا۔

یہ وہ ہیں کہ خالق کائنات نے ان کو بڑے بڑے فضائل عطا کیے ہیں، ان کے جسم پھول کے مانند تازہ اور نورانی بنائے ہیں۔

یہ فرزندِ فاطمہؑ ہیں۔

اگر تو انھیں نہیں پہچانتا تو سن۔ یہ فرزندِ خاتم الانبیاءؑ ہیں۔

یہ وہی ہیں کہ جنھوں نے اپنے دشمنوں کے دامن کو داغدار بنا دیا۔

یہ وہ مرد بہادر ہے کہ جس کی جست کا مقابلہ شیر بھی نہیں کر سکتا۔

یہ حیدرِ کبریاؑ کے فرزند ہیں کہ جن کے ہاں حاجت مندوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اور دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو ان کا مرہونِ منت نہ ہو۔ یہ وہ ہیں کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو خدا ان کی مدد کرتا ہے اور جب زبان کھولتے ہیں تو قرآن ان کی تائید کرتا ہے۔

یہ وہ ہیں کہ جس نے ان کا حق نہ پہچانا اس نے اللہ کے حق کا انکار کیا۔

آپؐ کا نام بھی علیؑ ہے۔ آپؐ کے پدرِ بزرگوار رازِ ہائے قدرت کے امین تھے۔

یہ وہ ہیں کہ جن کی تعلیمات کی روشنی میں اقوام و ملل و علماء راہ حق تلاش کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کا قلم موتی برساتا ہے اور ہر سمجھ دار ان کے درس کو دیکھ کر انگشت بہ لب ہو جاتا ہے۔ جو ان کا بدخواہ ہوگا، وہ خود اپنا نقصان کرے گا۔

یہ وہ امامؑ ہیں کہ قیامت کے دن جب دوزخ کی آگ بھڑکے گی تو ان کی شفاعت اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوگی۔

یہ وہ ہیں جو حاسدوں کے دلوں کو بھی پگھلا دیتے ہیں۔

یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ یہ وہ ہیں کہ جن کی انگشتائے مبارک سے بخشش کے دریا جاری ہوتے ہیں۔

اور تشہد کے سوا کبھی ان کے منہ سے 'لا' نہیں نہیں نکلا اور اگر تشہد نہ ہوتا تو ہرگز ہرگز ان کی زبان سے 'لا' نہیں نکلتا۔

یہ وہ ہیں کہ جو سراپا اللہ کی تلوار ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جو شخص ان سے منہ موڑے گا خود اپنا نقصان کرے گا۔

جو ان سے دشمنی کرے گا وہ جہنم کی آگ میں

جلے گا۔

جو شخص اللہ کو پہچانتا ہے وہ ان کی فضیلت اور برتری کو بھی جانتا ہے۔

اس لیے کہ ملت کو دین انھیں کے خاندان سے ملا۔

یہ لوگ تاریکی میں چاند کی مانند چمکتے ہیں۔ یہ لوگ جس وقت حمد و ثنائے الہی میں مشغول ہوتے ہیں تو بید کی طرح کانپتے ہیں۔ مگر جب نیزہ زنی کا وقت ہو تو اس طرح ثابت قدم رہتے ہیں جیسے پہاڑ۔

یہ عزت و عظمت کی اس بلندی پر فائز ہیں کہ کوئی مسلمان خواہ عرب ہو، خواہ غیر عرب، اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ اس خاندان کے ایک فرد ہیں کہ جس کے دسترخوان سے ساری مخلوق روزی کھاتی ہے۔ اگر قبیلہ قریش کی نظر ان پر پڑ جائے تو کہنے والا کہہ اٹھے گا کہ

عالی نبی انھیں سے شروع ہوئی اور ان ہی پر ختم ہے۔

یہ وہ ہیں کہ جن کا چہرہ چاند سے زیادہ روشن ہے۔

یہ وہ ہیں کہ زبان وحی پر جن کی شرافت و بزرگی کے ترانے ہیں۔

یہ وہ ہیں کہ خوب خدا سے مسلسل جن کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتے ہیں۔

یہ وہ ہیں کہ جن کے دریائے وجود کا اصل سرچشمہ سیرت پیغمبر ہے۔

ان کی طینت طیب ہے۔ ان کے اخلاق پاک اور ان کی خصلت روشن و تابناک ہے۔

یہ وہ ہیں کہ جن کی فصاحت و ہم وقیاس سے بھی بالاتر اور جن کی سخاوت کے آگے حاتم بھی دست بستہ ہو گیا ہے۔

کعبہ خوب جانتا ہے کہ اس کے صحن میں حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لیے کون سا بندہ معبود آگے بڑھ رہا ہے۔

جس کی معطر سانس سے پوری فضا خوشبوؤں سے بس گئی ہے۔

اہل عقل ان کے حسن سیرت و کردار کو دیکھ کر متحیر ہیں اور ان کی آنکھیں ان کے حسن صورت کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔

اگر بالفرض ساری روئے زمین پر ضلالت کے سیاہ پردے پڑ جائیں تو ان کی ہدایت کی روشنی

جوان کے چہرے سے عیاں ہے، اُن تاریک پردوں کو چاک کر دینے کے لیے اس طرح کافی ہے جس طرح آفتاب رات کے تاریک پردوں کو چاک کر دیتا ہے۔

یہ وہ ہیں کہ ان جیسی نجابت و شرافت کسی انسان میں نہیں ملتی۔

یہ وہ ہیں کہ جو شخص ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہوگا وہ نجات پائے گا۔

اگر کوئی سائل ان سے سوال کرتا ہے تو ادھر شرمندگی سے اس کی نظر نیچی رہتی ہے اور ادھر یہ اپنی نگاہ نیچی رکھتے ہیں اور بالکل خاموش رہتے ہیں، یہاں تک کہ سائل کے لبوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔

ان کے مجد و شرف پر سب لوگ یک زبان ہیں۔ ان کا چہرہ جیسے چودھویں رات کا چاند ہے۔ ان کے لباس کی خوشبو سے ساری فضا معطر ہے۔ اس بلند نظر و دلپذیر مرد کے کھلے ہاتھ میں ایک خوشبودار خیزران کا عصا ہے جو بدخواہوں کو اندھا کر دینے کے لیے کافی ہے۔

خدائے کریم نے ان کو کمالات سے نوازا ہے، ان کو جمال پر نور عطا فرمایا ہے اور ان کے

جد کے ذریعہ علم لدنی کا مالک بنایا ہے۔
 یہ وہ ہیں جن کے سامنے تمام پیغمبران کم رتبہ
 نظر آتے ہیں اور جن کی امت کے مقابلہ میں
 دیگر انبیاء کی امتیں ناچیز اور بے حقیقت ہیں۔
 یہ وہ ہیں کہ جن کی قدر و منزلت آسمان
 سے بھی بلند ہے۔

یہ وہ ہیں کہ جن کے اندر شکوہ ہی شکوہ اور
 جلال ہی جلال ہے۔
 ان کے دست مبارک ہمارے لیے اللہ کی
 ایک نعمت ہے۔

ان کے دونوں ہاتھ ابر رحمت کی طرح سب
 کو فیض پہنچاتے ہیں۔

یہ جس قدر جس کو چاہیں بخش دیں، ان کی
 نعمت میں کوئی کمی نہیں آتی۔

اس روئے زمین میں ہر بڑے سے بڑا انسان
 ان کا شکر گزار ہے۔

یہ وہ گرامی منزلت انسان ہیں کہ اللہ ان
 کا مددگار ہے۔

یہ وہ صفات حسنہ سے مزین انسان ہیں
 کہ جن کا کوئی مثل نہیں ہے۔

یہ ایسے نرم مزاج ہیں کہ کسی کو ان سے

گزند پہنچنے کا خیال بھی نہیں ہوتا۔
ان کے اندر دو خصلتیں بہت نمایاں ہیں، ایک
خوش اخلاقی اور دوسرے بخشش۔
یہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جو صریحی خطا کو
بھی معاف کر دیتے ہیں۔
مگر حاسدوں کو تو اللہ نے توفیق ہی نہیں
دی کہ وہ ان سے فیض حاصل کریں۔
ان کی اتباع کرنے والے اللہ کے دریائے
عفو و بخشش میں تیرتے ہیں۔
یہ لوگوں کے کاندھوں کا بوجھ ہلکا کر دیتے ہیں۔
یہ خوش اندام اور قد موزوں کے مالک ہیں۔
ان کے چاہنے والے ان کے دامِ محبت میں اسیر
ہیں اور کیوں نہ ہوں۔
ان کی سیرتِ پاک رسولِ اکرمؐ کی سیرت کے
بالکل مشابہ ہے۔
یہ کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ کاملِ رخصت
رکھتے ہیں۔ کشادہ رو ہیں۔
عزیم محکم کے مالک ہیں۔ دونوں جہان کے
فضائل و مناقب اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔
ان کا چہرہ کیا ہے گویا سعادتمندی اور
خوش قسمتی کا آفتاب چمک رہا ہے۔ جود و

بخشش کا پرچم ان کے ہاتھوں کو چوم کر خوشی میں جھوم رہا ہے۔

اہل عالم کو اپنے علم و احساس میں اس طرح غرق کر دیا ہے کہ اب ان میں کور باطنی، تنگدستی اور افلاس باقی نہیں رہ گیا۔

یہاں حسنِ باطن کے ساتھ حسنِ ظاہر بھی ہے اور یہ مقامِ مفاخرت پر یگانہ روزگار ثابت ہوں گے۔

ان کی افضلیت اور برتری اس حد تک ہے کہ کوئی عالم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اے ہشام! تیرا یہ دریافت کرنا کہ یہ کون ہیں اس سے ان کی قدر و منزلت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہو سکتی۔

تو جس سے تہا بل برت رہا ہے، ان کو عرب ہو یا غیر عرب، سبھی جانتے ہیں۔

یہ اس خاندان کی عظیم ہستی ہیں کہ جس کے غلام تک عظیم بن جاتے ہیں۔

کیونکہ ان کی عظمت و بزرگی کی شہرت بلند آسمانوں میں بھی ہے۔

اور ان کی مدحت و منقبت اطرافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔

یہ اس نسل سے ہیں کہ جن کی محبت عین دین ہے۔

اور ان کی دشمنی عین کفر ہے۔
ان کا تقرب ذریعہ نجات و سرمایہ توفیق ہے۔
تلواریں، نیزے اور قلم سب انھیں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

اگر کوئی شخص ان سے دشمنی کرتا ہے تو کرتا رہے، اللہ خود ان کا نگہبان ہے۔

ان کی تشریف آوری نے صفا اور حجر الاسود کے دل کو مسرتوں سے مالا مال کر دیا ہے۔
اگر کعبہ کو معلوم ہو جائے کہ کون سی ہستی تشریف لائی ہے تو وہ خود بڑھ کر اس کو بوسہ دے گا۔

اور ہر اس مقام کو بوسہ دے گا جہاں انھوں نے قدم رکھے ہیں۔

یہ اس نسل سے ہیں کہ خالق کائنات نے جن کے راستہ کو روشن کر رکھا ہے۔

اور ان کی محبتوں اور دلیلوں کو قرآن کے ذریعہ مستحکم بنا دیا ہے۔

ان کی زبان ہمیشہ سچائی پر قائم رہتی ہے۔
اگر ساری دنیا کے اہل تقویٰ کو دیکھا جائے

تو یہ ان سب کے رہنا اور سردار نظر آئیں گے۔

یا اگر سوال کیا جائے کہ تمام مخلوقات میں سب سے بالاتر اور بہتر کون ہے تو جواب ملے گا کہ یہی نسل اور خاندان۔

اہل ایمان ہمیشہ ان کے پرچم کے زیر سایہ رہتے ہیں۔

انہیں کی مشعل ہدایت سے لوگ روشنی عقل پاتے ہیں۔

اور انہیں کی سرپرستی میں روحانی مرغزاروں میں چہل قدمی کرتے ہیں۔

دنیا کا کوئی صاحب بخشش ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

یہ جو کچھ بخش دیتے ہیں، دنیا کی کوئی قوم اور کوئی ملت اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔

پرہیزگاری اور خدا ترسی میں ان کا کردار دنیا کے لیے نشانِ راہ بنا ہوا ہے۔

ان کی شان ستاروں سے بھی زیادہ بلند ہے۔

میدانِ جنگ میں یہ لوگ شیر نظر آتے ہیں

اور حیرت انگیز شیر۔

راہنمائی ایک ایسا پھل جو صرف انہی لوگوں

کے شاخسارِ ہدایت پر لگتا ہے۔
 نیک بختی کا ستارہ صرف انہی کے آسمانِ رحمت
 پر طالع ہوتا ہے۔
 افلاس بغیر ان کی شمشیرِ سخاوت کے خاک و
 خون میں غلطاں نہیں ہوتا۔
 تنگدستی بغیر ان کی کشادہ دستی کے کم نہیں
 ہوتی، خواہ وہ خود توانگر ہوں یا تنگدست۔
 انہی کے فضائل سے اعلیٰ درجہ کی خلقتیں سجائی
 جاتی ہیں۔

ان کے اقتدار کے سامنے بڑے سے بڑا صاحبِ
 اقتدار سر جھکائے نظر آتا ہے۔
 یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جب کوئی ناگوار حادثہ ہم
 لوگوں کی تلاش کو چلتا ہے تو ہم لوگ انہی کی
 محبت کے واسطے سے ان آسیبوں کو دور کر
 سکتے ہیں اور اپنی نیکیوں اور نعمتوں میں اضافہ
 کر سکتے ہیں۔

آفتابِ نصف النہار ان کی روشنی کا ہرگز ہرگز
 مقابلہ نہیں کر سکتا۔

نہ کوئی دانشمند ان کی دانشمندی کی برابری کر
 سکتا ہے۔ نہ ابر ان کے بارانِ رحمت کی
 ہمسری کر سکتا ہے۔

ان کے دامن پر کبھی کسی بدی کی گردنہیں بیٹھی۔
یہ عظیم ہستیاں ہیں، یہ صاحبانِ قدرت اور
نعمت بخش ہیں۔ ان کے تعجب خیز علم و
دانش پر مجھے حیرت ہوتی ہے۔

ان کے سخی ہاتھوں کی بارش نے ہمیں احسانات
میں غرق کر رکھا ہے۔

ان کی تیز نگاہوں کی چمک ہماری آنکھوں
کو خیرہ کر دیتی ہے۔

جب کوئی ناگوار حادثہ پیش آجاتا ہے اور اس
میں فیصلے کی ضرورت ہوتی ہے، تو سارے قریش
میں انہیں کا گھر ہے جس سے لوگ کسبِ نور
کرتے ہیں اور رائے صائب حاصل کرتے ہیں۔

ان کے پیروکاروں کے ایام بہت خوش و خرم
بسر ہوتے ہیں۔ ان کے دشمنوں کے ہاتھ بے کلائی
کے پنجہ کی مانند ہیں۔

ان کی ولایت کا سورج کسی کی آنکھ سے پوشیدہ
نہیں ہے، ان کی ولایت کی گواہیاں جنگِ بدر
درہ کوہِ احد، جنگِ خندق و فتحِ مکہ میں ملیں
گی، جس وقت دشمنوں کی سمیت یلغار تھی۔

ان کی تلوار نے جنگِ جمل میں کیسے کیسے معجزے
دکھائے۔ پھر جنگِ صفین میں ان کے نیزوں نے

کیا کیا خون بہائے اور جنگ نہروان نے کتنی خون
 کی نہریں جاری کیں۔ اس کے علاوہ
 یوم خیبر و حنین، یہ دو شاہدین عادلین تو مشہور
 ہی ہیں اور دوسرے غزوات بھی تاریخی شاہد ہیں۔
 یہ خدا کے حکم کے مطابق حکم دیتے ہیں۔
 ان کے فضائل ہر مسلمان کے نزدیک ثابت ہیں۔
 قرآن ان کے نام کی نصیحت کرتا ہے۔
 اور اس میں اللہ کے نام کے بعد ان کا نام آتا ہے۔

قوم کے اس سچے رہبر کے گرد لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم اور اتنا
 پرجوش استقبال۔ ظاہر ہے کہ حکومت کا دل لرز گیا اور اس کو
 یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ یہ پیغام کربلا کی تبلیغ کرنے والا خود کوئی محاذ
 نہ کھول دے اور اس طرح بنی امیہ کی حکومت کا تار تار دبکھر جائے۔
 سچ ہے اللہ کے بنائے ہوئے رہبر کا وجود بجائے خود ایک فریاد
 ہے، اس کا سکوت خود ایک استغاثہ ہے۔ اور زمانہ کے کسی دور
 اور دنیا کے کسی خطے میں بھی ظالم اور جفاکار لوگوں کی نظر میں ایسے صاحب
 فکر کو زندگی کا حق حاصل نہیں ہے۔

مگر اہوں نے اپنی تلواروں اور اپنے مکرو فریب کے ذریعے ہمیشہ
 اس امر کی کوشش کی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں سے حق حیات چھین

لے شہیدان راہِ فضیلت، تالیف علامہ امینی ترجمہ سندھ صفحہ ۲۴۷ اور اصل
 قصیدہ کتاب 'الکفی واللقاب'، مؤلفہ حاج عباس قمی میں مذکور ہے۔

کیا کیا خون بہائے اور جنگ نہروان نے کتنی خون
 کی نہریں جاری کیں۔ اس کے علاوہ
 یوم خیبر و حنین، یہ دو شاہدین عادلین تو مشہور
 ہی ہیں اور دوسرے غزوات بھی تاریخی شاہد ہیں۔
 یہ خدا کے حکم کے مطابق حکم دیتے ہیں۔
 ان کے فضائل ہر مسلمان کے نزدیک ثابت ہیں۔
 قرآن ان کے نام کی نصیحت کرتا ہے۔
 اور اس میں اللہ کے نام کے بعد ان کا نام آتا ہے۔

قوم کے اس پتے رہبر کے گرد لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم اور اتنا
 پر جوش استقبال۔ ظاہر ہے کہ حکومت کا دل لرز گیا اور اس کو
 یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ یہ پیغام کر بلا کی تبلیغ کرنے والا خود کوئی محاذ
 نہ کھول دے اور اس طرح بنی امیہ کی حکومت کا تار تار دبکھر جائے۔
 پس اللہ کے بنائے ہوئے رہبر کا وجود بجائے خود ایک فریاد
 ہے، اس کا سکوت خود ایک استغاثہ ہے۔ اور زمانہ کے کسی دور
 اور دنیا کے کسی خطے میں بھی ظالم اور جفا کار لوگوں کی نظر میں ایسے صابر
 فکر کو زندگی کا حق حاصل نہیں ہے۔

مگر اہول مے اپنی تلواروں اور اپنے مکرو فریب کے ذریعے ہمیشہ
 اس امر کی کوشش کی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں سے حق حیات چھین

لے شہیدان راہِ فضیلت، تالیف علامہ امینی ترجمہ سندج صفحہ ۲۴۷ اور اصل
 قصیدہ کتاب 'الکلی واللقاب'، مؤلفہ حاج عباس قمی میں مذکور ہے۔

لیں اور یہی نہیں بلکہ یہ لوگ ان کے نام یا ان کے ذکر کو بھی باقی نہیں رہنے دینا چاہتے اور اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح عوام کے ذہن سے ان لوگوں کی یاد مٹا دیں۔

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہاں اس کے برعکس ہوتا تو تعجب تھا۔ اس لیے کہ اس مرتبہ کے انسان زمانے کے ہر قرن اور تاریخ کے ہر دور میں، ہر آن میدان جنگ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے ہیں، اس لیے کہ اگر وہ نہیں تو ان کا نام اور ان کی یاد لوگوں کو درس دیتی ہے اور ان کی رہنمائی کرتی ہے۔ مگر ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایسے لوگ خطرناک ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو عدل و انصاف اور نیکیوں کو پسند نہیں کرتے۔

یہی وجہ ہے کہ حاکمین وقت اپنے اپنے دور میں ملتِ اسلامیہ کے کسی سچے رہبر کی بقا کو گوارا نہیں کرتے اور ان کی شہادت کے اسباب پیدا کرتے ہیں۔



۱۲ یا ۱۸ یا ۲۵ محرم ۱۱۰۵ء تاریخ شہادت ہے (بعین موزین دیگر سالوں کا بھی ذکر کرتے ہیں) اور آپ کو ولید بن عبدالملک یا اس کے بھائی نے زہر دیا، یہ بھی تحریر ہے۔

اتحادِ ملتِ مسلمہ کی ایک سنجیدہ کوشش

علامہ محمد مہدی الاصفہانی کی گونا گونا گویا تالیفات

فلسفۂ امامت

جس میں امامت کے مفہوم کو جدید علوم کی روشنی میں

سادہ و سلیس پیراٹھے میں بیان کیا گیا ہے
سیاست اور حکومت کے سلسلہ میں امام کے مقام کو واضح کیا
گیا ہے مسئلہ امامت پر ملتِ اسلامیہ کے مختلف فرقوں کے مابین
اختلاف کے اسباب بیان کیے گئے ہیں اور اسلامی فرقوں کو مفہوم
امامت کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوشش
کی گئی ہے

قیمت ۲۵ روپے

آفسٹ طباعت

دارالافتاء الامتیۃ الاسلامیہ
۲۰۰۲ء - ۲۰۰۳ء - ۲۰۰۴ء - ۲۰۰۵ء - ۲۰۰۶ء - ۲۰۰۷ء

